قاعدہ بغدادی سے
صحیح بخاری تک

از

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

ناشر

مکتبہ صوت القرآن ضیاء الحق اسٹریٹ دیوبند ۲۴۵۵۴

مقدمہ

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

از جناب مولانا نظام الدین صاحب اسیرادروی، استاذ جامعہ اسلامیہ بنارس

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری خاموش علمی کام کرنے والوں میں سے ہیں۔ ان کی شخصیت وعظمت صرف ان کی تصانیف سے پہچانی جاتی ہے۔ البتہ دانشور طبقہ اور اہل علم وفضل ان کے رتبہ شناس ہیں۔ یہی وجہ ہے ۱۹۸۴ء میں ہندوستان کے ایک عظیم عربی اسکالر کی حیثت سے ان کو صدر جمہوریہ کی طرف سے ایوارڈ دیا گیا ہے۔

ہم عمر دوست جو چالیس سال سے ایک ساتھ، ایک ماحول اور ایک طرح کی دلچسپیوں میں کھوئے ہوئے زندگی کی تدریجی منزلیں طے کرتے ہوئے آگے بڑھے ہوں، ہر ایک نے دوسرے سے اپنے بے پناہ تعلق ومحبت کے اظہار کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا ہو، ہر ایک نے دوسرے کو چھیڑا ہو اور ستایا ہو، تند وتیز باتیں بھی کہی ہو، شہد اور قند ونبات سے زیادہ شیریں لب ولہجہ کی حلاوت بخشی ہو، عنفوان شباب کی امنگوں بھری زندگی اور جوانی کا طوفان بدوش دور کامل یک جہتی، اتحاد ذوق اور یکساں مصروفیتوں اور دلچسپیوں میں گذرا ہو۔ پھر ایک ہی ساتھ دونوں زندگی کی اس منزل پر آئے جہاں تاریکی سے اجالا دست وگریباں تھا، سیاہی سے سفیدی جنگ آزما تھی، شباب سے

کہولت الجھی ہوئی تھی، پھر یوں ہی زندگی کے سیاہ وسفید ورق الٹتے رہے بچپن اور جوانی کی ایک ایک معصوم اور طرب انگیز یاد پر شب وروز کی سفید و سیاہ چادریں پڑتی گئیں۔ اس طرح وہ دَور بھی آنکھوں سے یوں اوجھل ہو گیا کہ اُس کو ایک نظر دیکھ لینے کی تمنا بھی دونوں نے چھوڑ دی۔

ان حالات میں سفر زندگی کی تلخیوں نے دونوں میں کوئی راز نہ رہنے دیا۔ ہر ایک دوسرے کی زندگی کی تلخیوں، صعوبتوں اور کمزوریوں سے واقف تھا، لیکن ایک دوسرے کے عیب وہنر کی جستجو میں نہ رہا۔ نہ کبھی کسی کا عیب نظر آیا، اور نہ کسی کی عظمت کا صحیح طور پر احساس ہو سکا۔ زندگی کے اس پورے سفر میں ہر ایک نے دوسرے کو اس طرح دیکھا جیسے کوئی شخص اپنے صحن میں لگے ہوئے پودے کو روزانہ دیکھتا ہے جو غیر محسوس طور پر بڑھتا رہتا ہے لیکن آنکھیں اس کے نشوونما کو کبھی نہیں دیکھ پاتیں۔ حالانکہ قدرت کا ہاتھ اسے روز بروز بلندی کی طرف کھینچتا ہے اس کا قد روز بڑھ رہا ہے، مگر مادی آنکھوں کو اس کی تدریجی منازل کا صحیح علم کبھی نہیں ہوتا۔

کچھ یہی حال میرا قاضی صاحب کے معاملے میں ہے۔ قاضی صاحبؔ نے جوانی ہی میں کثرتِ مطالعہ کی دیوانگی میں قدرت کو آنکھوں کی روشنی کا بڑا حصہ دے کر اس کے بدلے میں علم کی دولت مانگی تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ بڑی بے دردی سے اپنی آنکھوں کی قیمتی روشنی کو لٹا رہے ہیں۔ میں یہ نہ سمجھ سکا کہ اس روشنی سے زیادہ قیمتی کون سی دولت ہے جسے وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ راز اس وقت فاش ہوا جب ان کی تصنیف نے ملک کے اہل علم سے تحسین حاصل کیا۔

قاضی صاحب نے جن رُوح فرسا حالات میں اپنی عِلمی زندگی آغاز کیا ہے اس نے میرے دل میں ان کی عظمتوں کا یہ چراغ روشن کر دیا ہے۔ جس کی روشنی میں ان کے علمی کمالات کے خدوخال کو واضح طور پر دیکھ رہا ہوں۔ درس وتدریس کی عُسرت بھری زندگی سے نکل کر امرتسر، لاہور، بہرائچ، ڈابھیل پھر بمبئی کے

اسفار اور بھاگ دوڑ نے ان کے جسم کو ضرور تھکا دیا، اور وہ قبل از وقت آنکھوں کی روشنی کا بڑا ذخیرہ کھو چلے، اور بالوں کی سیاہی نے شباب کی حکمرانی سے بغاوت کر کے امن کا سفید پرچم لہرایا۔ لیکن مشکلات و شدائد کی بھٹی نے ان کے جسم کو جتنا تپایا ان کے جوہر علم کا سنہرا رنگ اور نکھرتا گیا۔ اور آج ان کے علمی مقام کی بلندیوں کی طرف سر اٹھایا جاتا ہے تو بڑے بڑے اہل علم کی ٹوپیاں گر جاتی ہیں۔

یہ سب صلہ ہے قاضی صاحب کی بے پناہ جدجہد کا۔ زندگی کو شدائد و مشکلات کے تسلسل نے بے کیف بنا دیا تھا، اس کی رعنائیاں، اس کے تقاضے قبل از وقت رخصت ہو چکے تھے۔ اس لئے ان کے لوازمات زندگی بہت ہی مختصر تھے، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور برتنے کی ہر چیز میں یک گونہ سادگی ہمیشہ مد نظر رہی، اور آج جب کہ ان کو علمی و عملی جدوجہد کا مادی صلہ مل گیا، عسرت و پریشان خاطری کے ان خاردار تاروں کو پار کر گئے جن میں ان کی پوری زندگی گھری ہوئی تھی پھر بھی انہوں نے اپنی وضع نہیں بدلی، تعلقات اور دوستوں سے رسم راہ کی ان کے نزدیک ہمیشہ بڑی قیمت رہی۔ انہوں نے بڑی وضعداری کے ساتھ اس کو نبھایا، تعلقات میں بے تکلفی اور سادگی ان کی زندگی کا ایک خوبصورت پہلو ہے، بے تکلف محفلوں اور دوستوں میں ان کے پاس بیٹھ کر ان کی عظمت کا صحیح احساس نہیں ہوتا، جتنے بڑے وہ اپنی کتابوں کے صفحات میں نظر آتے ہیں، روزمرہ کی زندگی میں اس کا کہیں دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔

حضرت قاضی صاحب آج ہندوستان کے ایک مخصوص دور کی تاریخ کے محقق ہیں۔ وہ موجودہ دور میں "مورخ اسلام" کے پرشکوہ خطاب کے صحیح معنیٰ میں مستحق ہیں۔ میرے اس دعوے پر ان کی گراں قدر تصانیف شاہد عدل ہیں۔ انہوں نے عرب و ہند کے تعلقات کو عہد رسالت سے لے کر خلافت عباسیہ کے دور تک اپنی کتابوں میں مستند حوالوں سے پیش کیا ہے۔ اس سلسلے کی کتابوں میں "عرب و ہند عہد رسالت میں" ۱۹۶۴ء میں

"ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" ۱۹۶۶ء میں۔ "اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ" ۱۹۶۹ء میں۔ خلافتِ راشدہ اور ہندوستان" ۱۹۷۱ء میں "خلافتِ امویہ اور ہندوستان" ۱۹۷۵ء میں، اور آخری کتاب "خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان" ۱۹۸۲ء شائع ہوئی۔ جو اپنے موضوع اور مواد کے لحاظ سے اہم ترین کتاب ہے۔ یہ کتابیں ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر اس موضوع پر ڈاکٹریٹ کے لئے ان سے مقالے تیار کئے جائیں تو ایک درجن مقالوں پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ان کو دی جا سکتی ہے۔

قاضی صاحب نے تاریخ کے جس پہلو کو اپنا موضوع بنایا ہے اب تک علمی دنیا میں اس پر کوئی کام نہیں ہوا تھا۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی "عرب و ہند کے تعلقات" جس عمومی دور اور حالات سے متعلق ہے اور جس حیثیت اور مقصد سے لکھی گئی ہے اور اس کا دائرہ جتنا وسیع ہے اس لحاظ سے اس موضوع پر تاریخ و سیر، سفرناموں اور تذکروں میں بڑا ذخیرہ ہے۔ لیکن عرب و ہند کے تعلقات کو عہدِ رسالت، عہدِ صحابہ، عہد تابعین و تبع تابعین کے چھوٹے چھوٹے اور تنگ دائروں میں محدود کر کے قاضی صاحب نے اپنے لئے تحقیق کا راستہ دشوار بنا دیا، اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اس قسم کے تحقیقی کاموں کا تجربہ ہے۔

ظاہر ہے کہ اس موضوع پر علمی دنیا میں اب تک کوئی کتاب موجود نہیں تھی۔ قاضی صاحب کو احادیث کے بہت بڑے ذخیرے کے علاوہ تاریخ و سیر، قدیم و جدید سفرناموں، تذکروں، عربی شعراء کے دواوین اور محاورات و امثالِ عرب کا بڑا گہرا مطالعہ کرنا پڑا ہوگا، سیکڑوں صفحات پلٹنے اور پڑھنے کے بعد شاید چند سطریں موضوع سے متعلق دستیاب ہوئی ہوں گی، آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ہزاروں صفحات کی ترتیب میں کتنا خون جگر جلانا پڑا ہوگا۔ کتنی راتیں چراغوں کی لو میں بسر کرنی پڑی ہوں گی۔ صبح و شام کی کتنی دلآویزیوں سے بے خبر رہ کر یہ ذخیرۂ معلومات فراہم کیا گیا ہوگا۔؟ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر

لطف کی بات یہ کہ کتاب کی ایک ایک سطر مستند، ایک ایک واقعہ حقائق کی کسوٹی پر کسا ہوا، ایک ایک حوالہ بذاتِ خود سند، نہ معلوم کتنے سمندروں کو کھنگالا گیا ہوگا تب کہیں جاکر لالیِ آبدار کا یہ ذخیرہ آج اہل علم کی نگاہوں کو دعوتِ نظارہ دے رہا ہے۔

اس موضوع کے بعض پہلوؤں پر ان کی عربی زبان میں تین عظیم کتابیں " رجال السند والهند " اور " العقد الثمين فى فتوح الهند ومن رد فيها من التابعين" اور " الهند فى عهد العباسيين " شائع ہوئیں۔ ان کا دوسرا ایڈیشن مصر سے طبع ہوکر عالم اسلام سے لے کر یورپ تک پہنچ گیا ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ ان کی دو کتابوں کا عربی میں ترجمہ " العرب والهند فى عهد الرسالة" اور" الحكومات العربية فى الهند والسند" کے نام سے مصر کے ایک مشہور عالم (ڈاکٹر عبدالعزیز عبدالجلیل عزت) نے کرکے شائع کیا، ان کتابوں نے مشرق وسطی اور بلاد افریقہ ہی نہیں یورپ کے بہت سے اہل علم کے سامنے ان کی قدآور شخصیت کو اتنی باعظمت بناکر پیش کیا ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، عربی زبان میں شائع ہونے والی کتابوں کا بڑا حصہ مشرق اوسط کے راستہ سے امریکہ اور مغربی جرمنی تک پہنچ گیا ہے، اس طرح ان کی علمی شہرت حدودِ ہند سے گذر کر پاکستان مشرق وسطی، بلاد افریقہ، یورپ اور امریکہ کی طویل مسافت طے کرچکی ہے۔

پاکستان کے مشہور نیم سرکاری ادارہ "تنظیم فکر ونظر سندھ" نے ان کی پانچ کتابوں کو نہایت اعلی پیمانہ پر ۱۹۸۶ء میں شائع کرکے ان کی افتتاحی تقریب میں قاضی صاحب کو دعوت دی، اور وزیر اعلیٰ سندھ کی زیر صدارت ایک شاندار اجلاس میں پاکستان کے بڑے بڑے دانشوروں اور ریسرچ اسکالروں نے ان کی علمی وتحقیقی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو "محسن سندھ" کے خطاب سے نوازا۔

وہ پاکستان کی علمی اور دینی تقریبات میں بار بار شریک ہوچکے ہیں اور صدرِ پاکستان

نے ھدایا و تحائف پیش کر کے ان کی علمی خدمات کا اعتراف کیا ہے ۔ ان کی تصانیف ہند و پاکستان اور عرب ممالک کے محققین کے لئے مستند ماخذ بن گئی ہیں اور ان کے حوالے دیئے جاتے ہیں ۔

یہ عجب بات ہے کہ ان کے بے تکلف احباب جن میں میں اپنے کو بھی شمار کرتا ہوں ان کی صحیح عظمت کا اعتراف نہیں کرتے اور اس سلسلے میں کم از کم میں خود کو مجبور پاتا ہوں کیونکہ بے تکلف دوستوں کے مخلصانہ تعلقات میں ایک دوسرے کے لئے اس کی ذات ہی سب کچھ ہوتی ہے ۔ دوستی میں خلوص رتبہ شناس نہیں ہوتا محبت شناس ہوتا ہے اور بزم اخلاق و انسانیت میں رتبہ شناسی سے محبت شناسی کی قدر و قیمت کہیں زیادہ ہوتی ہے ، جسے یہ دولت مل جائے اسے اس شخصیت سے مزید کچھ پانے کی ضرورت نہیں رہتی ۔ اور میں ان خوش نصیبوں میں سے ہوں جو اپنی گمنامی اور شکستہ خاطری کے باوجود اس دولت سے بہرہ مند ہوں۔

قاضی صاحب کا علمی مقام اتنا بلند ہے کہ میرے جیسے گمنام اور علمی صلاحیتوں سے محروم شخص کا ان سے اظہار تعلق کرنا لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کر سکتا ہے اور وہ زیر لب مسکرا کر کہہ سکتے ہیں ۔ ع

"مادح خورشید مداح خود است"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خود اعتمادی اور خود سازی کی یہ طویل داستان اُن عزیز طلبہ کی تشجیع و تشویق اور ہمت افزائی کے لئے لکھی گئی ہے، جو بہترین ذہن و دماغ لے کر دار العلوموں اور جامعات کی لق و دق اور شاندار عمارتوں میں جاتے ہیں تاکہ وہاں کے بہترین تعلیمی و تربیتی نظام کے ماتحت لائق و فائق اساتذہ کی توجہ سے علم حاصل کریں، مگر عام طور سے ان کو اپنے مقصد میں ناکام ہونے کے ساتھ اپنی بدنامی اور نالائقی کی سند ملتی ہے۔ کیونکہ ان مدرسوں کے ذمہ داروں کی وجہ سے تعلیم و تربیت کا معیار حد درجہ ناقص بلکہ علم کش ہوتا ہے اور وہ لوگ سارا الزام طلبہ کے سر رکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کچھ طلبہ اپنے طور پر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

ایسے طالب علموں کو ہم جیسے چھوٹے مدرسوں کے طلبہ سے سبق لے کر اپنے بلند مقاصد میں کامیابی کی جدوجہد کرنی چاہئے، میں نے اپنی طالب علمی کی یہ کہانی خود ستائی اور خود نمائی کے لئے نہیں لکھی ہے۔ عزیز طلبہ اس تحریر کو اس نقطۂ نظر سے نہ پڑھیں، بلکہ اس کو پڑھ کر آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کریں۔

اس سے پہلے میں نے "تعلیمی سرگرمیاں عہد سلف میں" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس کا مقصد بھی عزیز طلبہ کی تشجیع و تشویق ہے، اس سلسلہ کی یہ دوسری کتاب ہے، خدا کرے ان دونوں کتابوں سے فائدہ ہو۔ نیز اس کے لئے مولانا حبیب الرحمن خاں شروانیؒ کی کتاب "علمائے سلف" بہت خوب اور بہت مفید ہے، یہ میری محسن کتابوں میں ہے، اس کا مطالعہ بھی ضرور کرنا چاہئے۔

قاضی اطہر مبارک پوری
یکم ربیع الاول ۱۴۰۷ھ
۵ نومبر ۱۹۸۶ء

خاندانی سلسلہ اور پیدائش

الحمدللہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد والہٖ واصحابہٖ اجمعین

میری پیدائش ۴؍ رجب سنہ ۱۳۳۴ھ مطابق ۶؍ مئی سنہ ۱۹۱۶ء میں صبح پانچ بجے ہوئی، جائے پیدائش مبارک پور کے محلہ پورہ صوفی اور محلہ حیدرآباد کے نقطۂ اتصال پر موجودہ مسکونہ مکان کے شمال میں سڑک کے بعد چوتھا مکان ہے، بعد میں ہم لوگ اس سے پہلے تیسرے مکان میں آگئے، جس میں میرے بچپن، جوانی اور طالب علمی کا پورا دور گذرا، باہر والا کمرہ میرے لئے مخصوص تھا میں اپنے والدین کی پہلی اولاد تھا، نانا مرحوم مولانا احمد حسین صاحب رسول پوریؒ متوفی ۲۶؍ رجب سنہ ۱۳۵۹ھ نے میرا نام عبدالحفیظ رکھا، بعد میں قاضی اطہر مبارک پوری کے نام سے مشہور ہوا، والد مرحوم کا نام شیخ حاجی محمد حسن بن شیخ حاجی لعل محمد بن شیخ محمد رجب بن شیخ محمد رضا بن شیخ امام بخش بن شیخ علی متوفی ۱۱؍ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۸ھ ہے اور والدہ مرحومہ کا نام حمیدہ بنت مولانا احمد حسین بن شیخ عبدالرحیم بن شیخ جمال الدین متوفیہ ۲۲؍ ذوقعدہ سنہ ۱۳۵۲ھ ہے، رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین، دادھیال اور ننھیال کے بزرگوں کے حالات "مآثر و معارف" اور "تذکرہ علمائے مبارک پور" میں درج ہیں۔

اس زمانہ میں نانا مرحوم ڈھاکہ میں مدرس تھے اور وہاں کے مشہور و معمر بزرگ حضرت شاہ عبداللہ صاحبؒ ساکن رمنہ نے ان کو میری اور میرے ماموں عبدالباری مرحوم کی ولادت کی خوشخبری دی تھی اور ہم دونوں کے حق میں دعائے خیر بھی کی تھی۔

میرے جداعلیٰ سلطان نصیرالدین ہمایوں کے دورِ سلطنت میں کڑا مانک پور سے حضرت راجہ سید مبارک بن راجہ سید احمد بن راجہ سید نور بن راجہ سید حامد چشتی مانک پوری متوفی ۲/ شوال ۹۶۵ھ بانیٔ مبارک پور کے ہمراہ اپنا حسب ونسب وہیں چھوڑ کر یہاں آئے ، اور اسی زمانہ سے نیابت قضاء کا عہدہ ہمارے خاندان میں چلا آرہا ہے جس کی خو بُو اب بھی خاندان کے ہر چھوٹے بڑے فرد میں پائی جاتی ہے ، اور غیرت وحمیت ، عزتِ نفس ، صاف گوئی اور خودداری کا لحاظ و پاس بہت زیادہ ہے ، انتہائی بچپن کے چند ایسے واقعات مجھ کو اب تک یاد ہیں جن سے میری غیرت وحمیت کو ٹھیس لگی تھی ، اور آگے چل کر ان سے خودداری کو مدد ملی ۔

ہمارا خاندان بہت بڑا تھا ، والد مرحوم چار بھائی تھے (عبداللہ ، اسداللہ ، محمد حسین اور محمد حسن) والد مرحوم ان میں سب سے چھوٹے تھے اور میں ان کی پہلی اولاد تھا ، اس لئے خاندان کے تمام چھوٹے بڑے مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے ۔

میں خاندان اور محلہ کے لڑکوں کے ساتھ میں ہر قسم کے کھیل کود ، صید وشکار ، سیر وتفریح اور طفلی شرارتوں میں شریک رہ کر ان کو غلط حرکتوں سے منع کرتا تھا ، اس لئے وہ سب مجھے " مولوی " کہتے تھے حتی کہ اسی زمانہ میں محلہ کے دوسرے لڑکے اور بڑے لوگ بھی مجھکو اسی خطاب سے یاد کرنے لگے ، کھیل کود کے سامان بنانے میں زیادہ دلچسپی رہتی تھی ، چڑیے اور مچھلی کے شکار سے خاص شغف تھا ، اور خاندانی بھائیوں کے ساتھ قصبہ کے باہر باغوں ، کھیتوں ، دیہاتوں اور ندی ، نالوں کا چکر کاٹتا تھا ، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم تک یہی حال رہا اور کھیل کود میں زیادہ وقت گذرتا تھا ، خاندانی ماحول غیر علمی تھا ، چار بھائیوں میں دونوں چھوٹے بھائی معمولی لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور دینی زندگی بسر کرتے تھے ، میں بچپن میں بہت سیدھا سادا تھا ، آشوب چشم کی وجہ سے نگاہ بھی کمزور ہوگئی تھی ، والدہ مرحومہ کو خاص طور سے میرے بارے میں بہت فکر رہا کرتی تھی کہ یہ بڑا ہوکر متاہل زندگی کیسے بسر کرے گا ، اس کا ذکر دوسروں سے بھی کیا کرتی تھیں ، میری نانی مرحومہ رحیمہ بنت حافظ شاہ نظام الدین سریانوی متوفیہ ۲۶/ رمضان ۱۳۷۰ھ بڑی نیک اور عابدہ زاہدہ تھیں ، میں نے ان کا دودھ پیا ہے وہ مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں ، اکثر صبح کو رسولپور منگوا لیا کرتی تھیں اور شام کو مبارک پور واپس کرادیا کرتی تھیں

یہ خدمت ان کے یہاں پڑھنے والے بعض لڑکے انجام دیتے تھے۔

میرا حافظہ بچپن میں بہت قوی تھا چھ ماہ اور سال بھر کی عمر کے کئی واقعات اب تک یاد ہیں والدہ مرحومہ مجھے گود میں لے کر صبح کو قرآن شریف کی تلاوت کرتی تھیں اور میں اوراق نوچ دیا کرتا تھا، رات کو ہمیشہ چراغ کے سامنے کتابیں پڑھتی تھیں اور میں سنتا تھا۔ نیز محلہ کے لڑکے لڑکیوں کو پڑھاتی تھیں، اس وجہ سے بچپن سے مجھ کو دینی اور مذہبی معلومات سے دلچسپی ہوگئی تھی اور انبیاء علیہم السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور بزرگانِ دین رحمہم اللہ کے حالات سے فی الجملہ واقفیت بھی ہوگئی تھی، اور والدہ مرحومہ کی کتابیں الٹتا پلٹتا تھا، اس طرح ان کی گود میرا پہلا مدرسہ تھی، نو دس سال کی عمر سے نماز کی پابندی ہوگئی تھی۔ الغرض والدہ مرحومہ اور نانی مرحومہ دونوں کی پرورش اور تربیت میں میرا بچپن گذرا ہے، جن کا ذہن و مزاج اور ماحول سراسر دینی علمی، خدا پرستی اور خداترسی کا تھا، جب کہ خاندان اور محلہ کا ماحول اس سے جداگانہ تھا میں نے ان ہی متضاد حالات میں آنکھ کھولی اور ان سے میرا بچپن متاثر ہوا، میرے مزاج کی نرمی اور گرمی ان ہی متضاد تاثرات کا نتیجہ ہے جس کا ظہور اب بھی کبھی کبھی ہوتا رہتا ہے۔

باقاعدہ تعلیم کی ابتداء

ویسے تو میں گھر ہی پر کچھ نہ کچھ پڑھنے لگا تھا باقاعدہ تعلیم کے لئے محلہ کے گھریلو مکتب میں بھیجا گیا، اس زمانہ میں عام طور سے قاعدہ بغدادی، قرآن شریف اور اردو کی ابتدائی تعلیم اور تربیت خانگی مکاتب میں ہوا کرتی تھی گھر پر بھی والدہ مرحومہ اور والد مرحوم سے پڑھا کرتا تھا، اس کے بعد مدرسہ احیاء العلوم میں داخل کیا گیا، اس وقت تیسرا پارہ پڑھ رہا تھا، حافظ علی حسن صاحب مرحوم سے قرآن شریف پڑھ کر ختم کیا جیسا کہ میں بتا چکا ہوں مدرسہ جانے سے پہلے ہی اردو پڑھنے کی شدبد پیدا ہوگئی تھی، قرآن شریف ختم کرنے کے بعد اردو کی تعلیم منشی عبدالوحید صاحب لاہرپوری مرحوم سے حاصل کی جنہوں نے مبارک پور میں آباد ہو کر پوری زندگی مدرسہ احیاء العلوم میں مدرسی کی، ریاضی کی تعلیم منشی اخلاق احمد صاحب متوفی ۱۸ ذوقعدہ ۱۴۰۲ھ سے مدرسہ میں حاصل کی

اسس زمانہ میں مجھے رنگین کاغذات، نقشہ جات، مختلف قسم کے پیسے اور سکے جمع کرنے کا شوق ہوا، ماچس کی ڈبیاں بھی جمع کرتا تھا، گھر کے صحن میں مختلف قسم کے پودے اور پھول بویا کرتا تھا، دوسرے کھیلوں کے ساتھ کبوتر بازی کا شوق ہوا تو کئی سال تک یہ مشغلہ جاری رہا جس کی وجہ سے مدرسہ میں ناغہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ والد مرحوم نے خوب خوب مارا، اور گھسیٹتے ہوئے مدرسہ لے گئے، اس کے بعد میں بالکل سیدھا ہوگیا اور باقاعدہ مدرسہ جانے لگا، اسی زمانہ میں اردو کی کتابیں جمع کرنے کا شوق پیدا ہوا، اور اِدھر اُدھر سے کتابیں تلاش کرنے لگا ۱۳۴۶ھ میں نانا مرحوم کی کتاب "سبیل الآخرت" پہلی بار چھپ کر آئی جس کے پڑھنے اور سننے سے والدہ مرحومہ کی طرح مجھ پر بھی موت، قبر اور قیامت کا خوف طاری ہوگیا جس کا اثر اب بھی باقی ہے۔

فارسی کی تعلیم مولانا نعمت اللہ صاحب مبارکپوریؒ متوفی ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ سے حاصل کی، اردو، عربی کی خوش نویسی بھی ان ہی سے سیکھی۔ الغرض تقریباً پندرہ سال کی عمر تک کھیل کود کر اردو فارسی کی تعلیم مکمل کی، اس کے بعد عربی تعلیم کا دور آیا۔

صفر ۱۳۵۰ھ تا شعبان ۱۳۵۹ھ تقریباً دس سال میری عربی تعلیم کا زمانہ ہے جس وقت عربی شروع کی میری عمر چودہ، پندرہ سال کی تھی، جو عنفوانِ شباب کا زمانہ ہوتا ہے، اور اس میں بچپن کی تمام بالقوۃ صلاحیتیں بالفعل ہو جاتی ہیں، اگر اس زمانہ میں ماحول سازگار ہو تو انسان سب کچھ ہو سکتا ہے، ورنہ محرومی ہوتی ہے، مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی استعداد و صلاحیت، احوال و ظروف کی ناسازگاری کے باوجود اپنا کام کرتی ہے، میں اپنے کو اسی طبقہ کے خوش نصیبوں میں شمار کرتا ہوں۔

اردو فارسی کی تعلیم تک شہنشاہیت کا دور تھا، والدہ مرحومہ کا ذہن و مزاج خالص دینی و علمی تھا، گھر میں کفایت شعاری اور سادگی کی وجہ سے بڑی خیر و برکت کا

دور تھا، کاروبار بھی اچھا خاصا تھا، ۱۳۵۲ھ میں جب کہ میں کافیہ وغیرہ پڑھ رہا تھا والدہ مرحومہ کا انتقال ہوگیا جس کے صدمہ سے میری اٹھتی جوانی خاک میں ملنے لگی، سالوں غم واندوہ کی وادی میں بھٹکتا رہا، معلوم ہوتا تھا کہ والدہ مرحومہ کی یاد میں اپنے کو بھول جاؤں گا، والد مرحوم بسلسلۂ معاش ومعیشت باہر آنے جانے لگے، تین بھائی اور ایک بہن میں سب سے بڑا میں تھا، تعلیم کے لئے باہر نکلنا مشکل تھا، نیز بعض دوسرے خانگی معاملات پریشان کن تھے، حتیٰ کہ تعلیم بند کر دینے کی بات ہونے لگی، مگر میں نے گھر کے کام کاج کے ساتھ بڑے صبر واستقامت اور شوق ومحنت سے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، اور مدرسہ احیاء العلوم میں پوری تعلیم حاصل کی، صرف آخر سال دورۂ حدیث کے لئے جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد گیا، درمیان میں ۱۳۵۴ھ میں جامعہ قاسمیہ گیا تھا، مگر دو ماہ کے بعد واپس چلا آیا تھا۔

میرا تعلیمی ماحول

میری تعلیم کا پورا زمانہ مبارک پور میں گذرا ہے، اس زمانہ میں قصبہ اور سواد قصبہ میں متبحر علماء ومدرسین اور مصنفین موجود تھے اور تقریباً سب ہی حضرات دوسرے مقامات میں علمی ودینی خدمت انجام دیتے تھے، ان میں سے کسی سے نہ استفادہ کی عمر تھی اور نہ موقع تھا، البتہ بعد میں ان کے کاموں اور کارناموں کو دیکھ سن کر علمی حوصلہ پیدا ہوا، اور ان سے رہنمائی ملی۔

ان میں مولانا عبد العلیم صاحب رسول پوریؒ (نانا مرحومؒ کے بڑے بھائی) متوفی ۱۳۴۱ھ صدر المدرسین مدرسہ چشمۂ غازی پور کو دیکھا ہے ان کی صورت ذہن میں باقی ہے، اپنے وقت کے جیّد عالم، مفتی، فقیہ، مدرس، طبیب اور مصنف تھے۔

مولانا عبد السلام صاحب مبارکپوریؒ متوفی ۱۳۴۳ھ مصنف سیرۃ البخاری، مدرس دار الحدیث رحمانیہ دہلی کی خدمت میں ایک مرتبہ والد مرحوم کے ساتھ نبض دکھانے گیا تھا۔

شمس العلماء مولانا ظفر حسن صاحب فاروقی مبارکپوریؒ متوفی ۱۳۴۷ھ ڈھاکہ میں مدرس تھے اور نانا مرحوم کے خاص دوستوں میں تھے، ان کی زیارت نصیب نہ ہوسکی۔

مولانا عبد الحق صاحب اعظمیؒ متوفی سنہ مترجم تلبیس ابلیس مستقل طور سے

مدرسہ میاں صاحب دہلی میں رہتے تھے اور وہیں فوت ہوئے، ان کی زیارت بھی نہ ہوسکی۔

مولانا محمد احمد صاحب لہراوی متوفی ۱۵ر شوال ۱۳۶۸ھ مدرس مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کو ان کے آخری زمانہ میں دیکھا اور کئی بار ہمکلامی کا شرف پایا۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری متوفی ۱۳۵۳ھ اس زمانہ میں علماء کی ایک جماعت لے کر "تحفۃ الاحوذی" کی تبییض میں لگے رہتے تھے، ان کی خدمت میں بسلسلہ علاج آتا جاتا تھا، کبھی کبھی یوں ہی چلا جاتا تھا، ایک مرتبہ مولانا نے پوچھا کون کون کتابیں پڑھتے ہو، میں نے کتابوں کا نام بتایا تو فرمایا منطق میں بہت پیچھے ہو، اس میں محنت کرو۔ ان کی علمی مشغولیت اور تصنیفی انہماک دیکھ کر لکھنے پڑھنے کا حوصلہ ملا۔ ان کی زبان سے پہلی بار عربی کا یہ مقولہ سنا تھا " مَن سَاوىٰ يوماه فهُوَ في الخسران " یعنی جس انسان کے دونوں دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے، ہر اگلا دن پچھلے دن سے بڑھا ہونا چاہئے، یہ جملہ آج تک کام دے رہا ہے۔

مولانا محمد شریف صاحب مصطفےٰ آبادی متوفی ۲ر ذوالحجہ ۱۳۷۲ھ مصنف "الافاضۃ القدسیۃ فی المباحث الحکمیۃ" "ونسیم الکلام فی تائید شریعۃ خیر الانام" وغیرہ منطق، فلسفہ اور علم کلام کے بے مثال عالم و فاضل تھے، استاذ الاستاذ بھی تھے، اس زمانہ میں اکثر وطن ہی میں رہتے تھے، نانا مرحوم کے مخلص احباب میں تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، کبھی کبھی ہمارے گھر بھی آیا کرتے تھے، ان کی مجلس خالص علمی ہوتی تھی

میرے نانا مولانا حسین احمد صاحب رسول پوری متوفی ۲۶ر رجب ۱۳۵۹ھ متبحر عالم، مدرس و مصنف اور طبیب حاذق، عربی کے ادیب اور صاحب دیوان شاعر تھے، ڈھاکہ میں پڑھاتے تھے، تعطیلات میں گھر آتے تو رات دن کتب بینی، تصنیف و تالیف اور دواسازی اور کام کاج میں مصروف رہتے، آخر میں چند سال گھر ہی پر رہے، اس زمانے میں مجھے ان کے علمی مشاغل کے دیکھنے کا زیادہ موقع ملا، اور میرے ذوق کو بہت کچھ روشنی ملی، جو میرے گھر ہی کی چیز تھی، ان کے وصال کے وقت میں مرادآباد میں آخری تعلیم حاصل کر رہا تھا۔

میرے ماموں مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ متوفی ۱۱ر صفر ۱۳۸۷ھ نہایت ذہین و طباع اور جامع العلوم عالم تھے، ان کی ذات سے مجھے بے حد فائدہ پہونچا، اور انہوں نے میرے علمی ذوق کو بڑی جلا بخشی، درحقیقت میرا علمی سرمایہ نانہال کی دین ہے، اور وہیں سے میں نے یہ دولت پائی ہے۔

مولانا حکیم محمد صابر صاحبؒ متوفی ۸ر رجب ۱۳۹۹ھ کے خاندان اور میرے نانہال کے درمیان علمی رشتہ بہت پہلے سے تھا، میں ابتدائے طالب علمی ہی سے ان کے یہاں آتا جاتا تھا انہوں نے مجھے "وفیات الاعیان لابن خلکان" کے مطالعہ کا مشورہ دیا، اور اس کی اہمیت وافادیت سے واقف کیا، اور اس کتاب سے میں نے خوب خوب استفادہ کیا، اسی زمانہ میں ان کے یہاں سے کئی کتابیں لاکر پڑھی جس سے عربی شعر وادب کی مزاج شناشی کا ذوق پیدا ہوا۔

مُلّا رحمت علی اسمٰعیلی مبارکپوریؒ متوفی ۱۹۴۴ء بوہرہ فرقہ کے بہت بڑے عالم و فاضل تھے، زندگی کا بیشتر حصہ بمبئی میں گذرا تھا۔ ملا سیف الدین طاہر سے اختلاف و بغاوت کے بعد ایک جماعت لے کر ان سے مقدمہ بازی کی، جو ۱۹۱۷ء غالباً کیس کے نام سے مشہور ہے۔ ناکامی کے بعد مبارک پور بازار میں بساطے کی دوکان کرلی تھی، عربی کے زبردست ادیب وشاعر اور کئی مذہبی کتابوں کے مصنف تھے۔ مصر، شام ایران اور حجاز وغیرہ کا متعدد بار سفر کر چکے تھے، میں ان کی دکان پر بیٹھا کرتا تھا۔ ان کی باتیں علمی اور مذہبی ہوتی تھیں، وہ مجھے اپنی مذہبی قلمی کتابیں مطالعہ کے لئے دیا کرتے تھے، میں نے اسی زمانہ میں مشہور فلسفی شاعر ابوالعلاء معرّی کے "رسالۃ الغفران" کا مطالعہ ان ہی سے لے کر کیا تھا، انہوں نے مجھے جامع ازہر میں داخل کرانے کا وعدہ کیا تھا، مگر نہ خود وہ قاہرہ جاسکے، نہ مجھے جامع ازہر میں داخل کرا سکے، ان کی صحبت سے عربی ادب میں رہنمائی ملی اور بوہرہ فرقہ کی باطنی تعلیمات کا علم ہوا۔

اسی زمانہ میں دارالمصنفین اعظم گڈھ میں کئی مشہور اہلِ علم تصنیف وتالیف اور تحقیقی کاموں میں مشغول تھے، مولانا مسعود علی صاحب کی وجہ سے دارالمصنفین ضلع کی

سیاسیات کا مرکز بھی تھا، میں کبھی کبھی ساتھیوں کے ہمراہ وہاں جاتا تھا، مولانا سید سلیمان ندویؒ ادھر ادھر آتے جاتے ہم لوگوں کو دیکھ کر رک جاتے اور خیریت دریافت کرتے، بعض اوقات وہ خود بھی مدرسہ احیاء العلوم میں آیا کرتے تھے، مگر ان سے یا دار المصنفین کے کسی عالم سے استفادہ نہیں ہو سکا، ویسے بھی دار المصنفین دوسروں کے حق میں شجر ممنوعہ ہے۔ البتہ وہاں کی تصانیف اور رسالہ "معارف" سے بہت فائدہ ہوا، اور ان سے میرے تصنیفی ذوق کو مدد ملی۔

مدرسہ کا ماحول اور اساتذہ

یہ تھا میرا محدود علمی ماحول جس میں میں نے طالب علمی کے دس سال گذار کر وطن کے علماء و مدرسین سے تعلیم حاصل کی، اور خانگی و معاشی الجھن کی وجہ سے باہر نہ جا سکا اس زمانہ میں مبارکپور میں شیعہ، سُنی اور دیوبندی، بریلوی لڑائی جھگڑے کا اکھاڑا بنا ہوا تھا، ہر فرقہ کے پہلوان لنگوٹ کس کر میدان میں زور آزمائی کر رہے تھے اور یہاں کے عوام اپنے اپنے علماء کو باہر سے بلا کر اپنے مخالف کو کافر و بددین بنا رہے تھے، مہینوں مہینوں جانبین سے سوالی و جوابی تقریریں ہوتی تھیں، مناظرے اور مباحثے ہوتے تھے، پھر مارپیٹ اور مقدمہ بازی کی نوبت آتی تھی، عوام و خواص اس میں وقت، صلاحیت اور دولت خرچ کرنے کو عین دین اور کارِ ثواب سمجھتے تھے، گروہی عصبیت اور جماعتی جانبداری کی وجہ سے انفرادی اور شخصی باتیں پارٹی کا مسئلہ بن جاتی تھیں، دیوبندی جماعت کی سرگرمیوں کا مرکز مدرسہ احیاء العلوم تھا، اس کے علاوہ آئے دن جمعیۃ العلماء اور کانگریس کے جلسے، تحریکیں اور دوسری ملکی و سیاسی اور مذہبی سرگرمیاں اور ہنگامی حالات، جذباتی اور ہیجانی کیفیت پیدا کرتے تھے، اور ہم طلبہ ان سب میں شریک رہا کرتے تھے۔ اس خلفشار و انتشار کے دور میں تعلیم و تعلم کا کام بظاہر بہت مشکل معلوم ہوتا تھا، اور پڑھنے پڑھانے کے لئے جن پُرسکون اور اطمینان بخش حالات کی ضرورت ہوتی ہے وہ مفقود تھے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ یہی دور مدرسہ احیاء العلوم کا زرّیں عہد ہے۔

مدرسہ میں اس سے پہلے نہ ایسی رونق و برکت تھی، اور نہ بعد میں آئی، یہاں کی تعلیم و تربیت کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا، اس دور کا ہر طالب علم آگے بڑھنے کی کوشش کر کے اپنے کو کچھ نہ کچھ بنانا چاہتا تھا، یہ سب قصبہ کے ان اساتذہ کے خلوص و ایثار کا فیض تھا جو دس بارہ روپیہ سے بیس روپیہ تک کے قلیل مشاہرہ پر صبر و قناعت کر کے اور حساب کم و بیش سے یکسو ہو کر رات دن پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہا کرتے تھے، ایک دن میں دس دس بارہ بارہ اسباق پڑھاتے تھے، مدرسہ کے خارج اوقات میں طلبہ کو اپنے گھروں پر بلا کر عمدہ تعلیم اور بہترین تربیت دیتے تھے، خود محنت کر کے طلبہ سے محنت کراتے تھے۔ وہ حریص تھے کہ ان کے شاگردوں کو علم آجائے، استادی شاگردی کے تعلقات بالکل عزیزانہ نوعیت کے تھے۔

مدرسہ احیاء العلوم کے عربی اساتذہ میں مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب مبارکپوریؒ متوفی ۲۲/محرم سنہ۱۴۰۴ھ میرے سب سے پہلے استاد ہیں، اکثر و بیشتر کتابیں انہیں سے پڑھی ہیں، ان کی سادگی، نیک نفسی، خلوص اور شفقت سے مجھے بہت فیض پہونچا ہے۔ منطق و فلسفہ کی زیادہ تعلیم مولانا شکر اللہ صاحب مبارکپوریؒ متوفی ۵/ربیع الاول سنہ۱۳۶۱ھ سے حاصل کی ہے، میں ان کا آخری شاگرد ہوں جسے نہایت ذوق و شوق سے پڑھایا، میری ہمت افزائی اور ذہنی تربیت میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ مولانا بشیر احمد صاحب مبارکپوریؒ متوفی ۳/شوال سنہ۱۴۰۴ھ سے منطق کی بعض کتابیں پڑھی ہیں۔ مولانا محمد عمر صاحب مظاہری مبارکپوری سے تفسیر جلالین وغیرہ پڑھی ہے۔ ماموں مولانا محمد یحییٰ صاحب رسول پوریؒ متوفی ۱۱/صفر سنہ۱۳۸۷ھ سے عروض و قوافی اور ہیئت کے بعض اسباق پڑھے ہیں، میری تربیت میں ان کا بڑا حصہ ہے، میرے مطالعہ کے لئے عربی کی نادر نادر کتابیں مہیا کرتے تھے، ان کے علاوہ میرے اساتذۂ کرام میں کوئی ادیب، شاعر، مصنف اور مضمون نگار نہیں تھا مگر میں ان ہی سے تعلیم حاصل کر کے سب کچھ ہوا، یہ ان کے خلوص اور میری ذاتی کوشش کا

نتیجہ ہے۔ جامعہ قاسمیہ مرادآباد کے اساتذہ وشیوخ میں مولانا سید فخرالدین احمد صاحبؒ متوفی ۱۳۹۲ھ سے صحیح بخاری، سُنن ابن ماجہ، اور سُنن ابی داؤد، اور مولانا سید محمد میاں صاحبؒ متوفی ۱۶ر شوال ۱۳۹۵ھ سے سُنن ترمذی، اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلیؒ متوفی ۱۳۹۵ھ سے صحیح مسلم پڑھی۔ درمیان میں ایک مرتبہ دو ماہ تک جامعہ قاسمیہ میں رہ کر مولانا سید محمد میاں صاحب سے دیوان حماسہ کا پہلا باب اور مقامات زمخشری پڑھی، مولانا عربی زبان کے ادیب، اردو کے مصنف اور خالص دینی وعلمی مزاج کے آدمی تھے ان کے خلوص ومحبت اور ہمت افزائی سے مجھے بہت زیادہ فیض پہونچا ہے۔

اسی زمانہ میں مدرسہ احیاءالعلوم میں طلبہ کی فکری وذہنی تربیت اور وسعتِ معلومات کے لئے جمعیۃ الطلبہ کا قیام ہوا۔ اس کے لئے عظیم الشان کتب خانہ قائم ہوا جس میں ہر علم وفن خصوصاً تاریخ وادب کی ہزاروں مستند ومعتبر کتابیں جمع کی گئیں اور بہت سے علمی ادبی، مذہبی اور سیاسی اخبار ورسائل جاری کرائے گئے جن سے طلبہ استفادہ کرتے تھے، اس دور کی تقریباً ہر کتاب میری پڑھی ہوئی ہے، ہر جمعرات کو طلبہ سے تقریر کرائی جاتی تھی، جمعیۃ الطلبہ کی طرف سے "الاحیاء" نام کا قلمی رسالہ جاری کیا گیا، جس کی ادارت میرے ذمہ تھی۔ مدرسہ کے ناظم اور روح رواں مولانا شکراللہ صاحب اپنے عزیز طلبہ کی تعلیم وتربیت پر کڑی نظر رکھتے تھے، ان کے اندر عزتِ نفس، خوداعتمادی، بلندیٔ کردار اور ٹھوس علمی استعداد کا جوہر دیکھنا چاہتے تھے وہ اپنے طلبہ کو علم کے ہر میدان میں آگے بڑھانے کی کوشش کرتے تھے۔

میرے محدود وسائل اور مخصوص حالات قرب وجوار کے بڑے مدرسوں میں جانے کے حق میں بالکل نہیں تھے، بڑی مشکل سے صرف ایک سال باہر رہنا نصیب ہوا، اس کے باوجود حوصلہ کی بلندی اور تحصیلِ علم کی دُھن کا حال یہ تھا کہ جامع ازہر میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا سودا ہر وقت سر میں سمایا رہتا تھا بلکہ بعد میں بھی یہ آرزو باقی رہی مگر میں نے اپنے ذوق وشوق کی بدولت ناکامی کو کامیابی سے یوں بدل دیا کہ اپنے گھر اور مدرسہ کو جامع ازہر، جامع زیتون، جامع قرطبہ،

مدرسہ نظامیہ، مدرسہ مستنصریہ بنالیا، اور وطن ہی میں رہ کر خدا کے فضل و کرم، اساتذہ کی شفقت و محبت اور اپنی محنت و عزیمت سے بہت کچھ حاصل کیا، اس دور میں مجھ پر عجیب علمی سرمستی اور شوریدگی چھائی رہتی تھی، ہر وقت بغداد و بخارا، اندلس و غرناطہ، اور عالم اسلام کی قدیم مشہور درسگاہیں اور ان کے اساتذہ و تلامذہ کے مناظر سامنے رہتے تھے، اور میں ان کے حسنات و برکات سے مستفیض ہوتا رہتا تھا۔

طالب علم میں محنت اور کوشش کے ساتھ آگے بڑھنے کا حوصلہ اور ذوق وشوق ہو تو چھوٹی جگہ رہ کر بڑا ہو سکتا ہے، اور اگر یہ باتیں نہ ہوں تو بڑی جگہ رہ کر چھوٹا ہی رہے گا، مجھے کسی بڑے علمی و تحقیقی اور تربیتی ادارہ کی ہوا تک نہیں لگی، نہ کسی بڑی شخصیت کی رہنمائی حاصل ہو سکی، ساتھ ہی میرے ذاتی اور خانگی حالات بھی سازگار نہیں تھے، اس کے باوجود میں مطمئن اور خوش ہوں کہ اپنے ذوق وشوق، محنت و حوصلہ اور خودسازی کے بل پر وہ سب کچھ حاصل کیا جو بڑے اداروں اور بڑی شخصیتوں کی سرپرستی میں رہ کر حاصل کیا جاتا ہے، ہو سکتا ہے جیسا کہ ہوتا بھی ہے کہ مجھے کسی بڑی شخصیت یا ادارہ کے سایہ میں جگہ ملتی تو میرا علمی پودا قوت نمو سے محروم ہو جاتا اور کھلی آب وہوا میں اسے آزادانہ پھلنے پھولنے اور بارآور ہونے کا موقع میسر نہ آتا۔

اس میں شک نہیں کہ درس نظامیہ میں بہت کچھ کتر بیونت کے باوجود اب بھی وہ بہت مفید اور کارآمد ہے، کئی مدارس نے اپنے یہاں نئے نصاب جاری کئے مگر نتیجہ کے طور پر ان سے ایسے علماء پیدا نہیں ہوئے جو درس نظامیہ کے فضلاء کی صف میں بیٹھ کر ٹھوس تعلیمی و تصنیفی خدمات انجام دے سکیں اور دینی علوم و فنون میں مستند فکر اور معتبر نظر رکھتے ہوں۔ حالات اور زمانہ کے تقاضے کے مطابق نصاب میں تغیر و تبدل ہونا چاہئے، مگر طلبہ میں پختہ علمی استعداد و صلاحیت اور اعتقاد و عمل میں صلابت کا خیال مقدم ہونا چاہئے، کیونکہ دینی مدارس کے وجود کا مقصد یہی ہے، اسی نام سے وہ جاری ہیں، اور یہی ان کا اصل کام ہے، میں نے مجموعی طور سے اسی درس نظامیہ کو پڑھا ہے، اور مجھے جو کچھ ملا ہے اسی سے ملا ہے۔

قوتِ مطالعہ کی برکت

ابتداء میں عربی تعلیم مجھے بہت سخت اور مشکل معلوم ہوتی تھی، مدرسہ سے اکثر غائب رہا کرتا تھا اس میں اپنی کچھ بے پرواہی اور سمجھ کا قصور اور کچھ طریقۂ تعلیم کا قصور تھا، نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ کئی ماہ تک مدرسہ نہیں گیا، حالانکہ بچپن ہی سے عربی زبان سے یوں مناسبت پیدا ہو گئی تھی کہ روزانہ صبح کو مترجم قرآن شریف کی تلاوت کرتا تھا، اور ترجمہ کی روشنی میں عربی کے اردو معنی پر غور کرتا تھا، میزان منشعب، علم الصیغہ اور نحو میر پڑھنے کے بعد جمعہ کا خطبہ سمجھنے لگا تھا، نحوی اور صرفی قواعد و مسائل کی خوب مشق کی، بعد میں کبھی کبھی علم الصیغہ اور نحو میر پڑھ لیا کرتا تھا، نیز فصول اکبری کی خاصیت ابواب خوب یاد کرلی تھی، ان کتابوں کے قواعد و مسائل آج بھی تقریباً اسی طرح یاد ہیں اور کام آتے ہیں، بعد میں جب مقامات حریری بحاشیہ مولانا محمد ادریس صاحبؒ کے دس مقامات ان کے پورے حقوق کے ساتھ پڑھے تو عربی زبان و ادب کا صحیح ذوق پیدا ہوا، اس کے متعلقات و مبادی، مثلاً لغت، اشتقاق، ابواب، صلات، نحو صرف، خاصیات وغیرہ کے بارے میں نظر پیدا ہوئی جس سے درسی اور غیر درسی کتابیں سمجھ میں آنے لگیں، اور خود اعتمادی نے ہمت و حوصلہ کو قوت دی - ہمارے اساتذہ بغیر مطالعہ کے سبق نہیں پڑھاتے تھے، طلبہ کے لئے ضروری تھا کہ کل کے سبق کا مطالعہ رات میں کر کے خود معانی و مطالب حل کرنے کی کوشش کریں وہ خود بھی رات کو مطالعہ کرتے تھے، چنانچہ رات میں تمام درسی کتابوں کا مطالعہ جو عموماً چار ہوا کرتی تھیں جم کر کیا کرتا تھا، جہاں کام نہیں چلتا تھا استاذ پر چھوڑ دیتا تھا، اس طرح جب قوت مطالعہ پیدا ہو گئی تو یوں آنکھ کھل گئی کہ ایک ہی سال میں منیۃ المصلی، نور الایضاح، قدوری، کنز الدقائق اور شرح وقایہ پڑھ لی، شرح وقایہ کا سبق ایک ایک دن میں چھ چھ صفحات تک پڑھ لیتا تھا، ان ہی ایام میں تاریخ الخلفاء شروع کی مگر چند اسباق پڑھ کر چھوڑ دی کیوں کہ وہ کتاب درس کی نہیں بلکہ مطالعہ کی تھی، ایسا بھی ہوتا تھا میں کتاب کی عبارت پڑھ کر کہدیتا کہ میں سمجھ گیا اور استاذ آگے پڑھانے لگتے تھے، یہ سب قوتِ مطالعہ کی

برکت تھی جو نحوی و صرفی قواعد کے حفظ و اجراء اور عربی ادب میں محنت کے نتیجہ میں پیدا ہو گئی تھی، جس کے لئے میں نے ابتداء میں خوب محنت کی تھی، اس کے باوجود میں نے اپنے اساتذہ کے بارے میں کبھی گستاخانہ رائے قائم نہیں کی، اور نہ ان کے علم پر حرف گیری، اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو اسی زمانہ میں اس کی سزا مل جاتی اور ان کے طفیل مجھے یہ علمی فیض نہ پہونچتا۔

نیز زمانہ طالب علمی میں مدرسہ میں دو ایک درسی کتاب پڑھاتا تھا اور طلبہ نہایت ذوق و شوق سے پڑھتے تھے جن میں کئی ہمعصر تھے، بعض اوقات میں پڑھانا نہیں چاہتا تھا تو مجھے زبردستی پڑھانے پر مجبور کرتے تھے اس میں بعض مرتبہ مار پیٹ کی نوبت آجاتی تھی، اس طرح طالب علمی کے ساتھ مدرسی کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، جس سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ عربی کی کوئی غیر درسی کتاب ہر وقت لئے رہتا تھا سبق اور تکرار کے بعد اس کے مطالعہ میں لگ جاتا تھا، ہمارے مدارس عربیہ کا یہ تغیر کتنا عجیب اور علمی انحطاط کی یہ رو کتنی اندوہناک ہے کہ اب سے چالیس پینتالیس سال پہلے ہم جیسے طالب علم اپنے شفیق اساتذہ کی نگاہ میں نالائق اور بداستعداد تھے، وہ کہتے تھے کہ تم لوگوں کو کچھ نہیں آتا، اہل علم کی مجلس میں بیٹھنے کے لائق نہیں ہو، مدرسہ میں آکر وقت اور عمر ضائع کرتے ہو، اور ہم ان سے بعض اوقات طالب علمانہ انداز میں دبی زبان سے کہہ دیا کرتے تھے کہ آپ ہمارے بعد ہم کو یاد کریں گے، چنانچہ بالکل یہی ہو رہا ہے۔ قوت مطالعہ پیدا ہو جانے کی وجہ سے پڑھنے میں بڑا انشراح و انبساط پیدا ہو گیا اور غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کا شوق جنون و دیوانگی کی حد تک بڑھ گیا، درسی کتابوں میں بس اتنی محنت کرتا تھا کہ امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہو جاؤں ممتاز یا اول آنے کی کوشش کبھی نہیں کی، مگر اکثر اول ہی آیا، بعض مرتبہ ممتاز بھی رہا، اس کے مقابلہ میں غیر درسی کتابوں سے شغف بہت رکھتا تھا، چلتے پھرتے کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں ضرور رہا کرتی تھی، حتی کہ کھانا کھاتے وقت بھی کتاب دیکھتا تھا، راتوں کو درسی کتابوں کے مطالعہ کے بعد غیر درسی کتابوں کا مطالعہ کئی کئی گھنٹے تک کیا کرتا تھا، گھر کی

رات میں لالٹین کے سامنے کتاب لئے پڑا رہتا تھا، بسا اوقات زبردستی اٹھایا جاتا تھا حالانکہ بچپن سے نگاہ کمزور تھی، عربی شروع کرنے کے بعد عینک کا استعمال شروع کر دیا تھا، بعض اساتذہ ازراہِ شفقت کہتے تھے کہ اس قدر زیادہ نہ پڑھو ورنہ اندھے ہو جاؤ گے، تو میں عرض کرتا کہ اگر ایسا ہو تو خود ہی یہ کام بند ہو جائے گا، کثرتِ مطالعہ اور کتب بینی سے بعض اوقات آنکھ میں سوزش پیدا ہو جاتی تھی، دانے نکل آتے تھے اور چکر آنے لگتا تھا جس کی وجہ سے دیر تک آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا تھا۔

میں فقہ کے درس میں اکثر امام شافعیؒ کی حمایت کرتا تھا، اور استاذ مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے اکثر سوچتا تھا کہ متاخرین ائمۂ احناف خصوصاً علماءِ ماوراء النہر کی کتابیں کیوں نہیں پڑھائی جاتی ہیں، قدماء کی امہاتِ کتب کہاں ملیں گی جن میں فقہ حنفی کی صاف ستھری روح موجود ہے اور فروعات کا استخراج احادیث و آثار سے کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعد میں احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد سے شائع ہونے والی ائمۂ احناف کی نادر و نایاب کتابوں سے بے حد شغف رہا، ان سب کو جمع کیا اور دل کھول کر ان پر تبصرہ و تعارف لکھا۔ مولانا ابوالوفا افغانیؒ متوفی ۱۳ر رجب ۱۳۹۵ھ صدر لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد متصلب حنفی تھے جنہوں نے یہ کتابیں تلاش کر کے اپنے تعلیق و تحشیہ کے ساتھ شائع کیں، بعد میں انہوں نے ایک مرتبہ میرے سامنے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ علماء ماوراء النہر کی ان کتابوں کو جلا دوں ان ہی کے رواج کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، امام ابویوسف اور دیگر ائمۂ احناف رحمہم اللہ کی کتابیں ناپید اور ضائع ہو گئیں، اور لوگوں نے ان سے صرفِ نظر کر کے متاخرین کی کتابوں کو فقہ حنفی کا ماخذ و مدار بنا لیا۔ احیاء المعارف النعمانیہ کی کتابوں اور حجۃ اللہ البالغہ کے مطالعہ سے مجھے فقہی مسائل کو احادیث و آثار کی روشنی میں سمجھنے کا ذوق پیدا ہوا۔

اسی طرح اکثر خیال آتا تھا کہ قرآن و حدیث جو دین کی بنیاد ہیں ان کو درس نظامیہ میں تیسرا درجہ دیا گیا ہے، اور ان کو دور اور عبور کے طور پر پڑھایا

جاتا ہے اس خیال کی بنا پر اسی زمانہ میں مشکوٰۃ، تفسیر جلالین اور تفسیر ابن کثیر خرید کر پڑھتا تھا، ساتھ ہی مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد کا مطالعہ کرتا تھا۔

ذہن ساز کتابیں جن کا میں نے مطالعہ کیا

ابتداءً مسدس حالی اور علمائے سلف پھر فہرست ابن ندیم اور وفیات الاعیان سے اسلاف کے علمی کارناموں سے واقفیت ہوئی اور ان کے احوال و سوانح سے ان کی تقلید و تتبع کا شوق پیدا ہوا، اسی زمانہ میں ماموں مرحوم مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ فراغت کے بعد دار المبلغین لکھنؤ گئے جو نیا نیا قائم ہوا تھا، وہ میرے لئے مولانا عبد الشکور صاحب فاروقیؒ کی کتابیں روانہ کرتے یا لاتے تھے، اور میں ان کو نہایت ذوق و شوق سے پڑھتا تھا، نیز ردشیعہ کے سلسلہ کی دوسری کتابیں ان ہی سے حاصل ہوئیں اور میرے پاس ان کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا، اس کے بعد وہ مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور میں مدرس ہوئے تو وہاں کے کتب خانہ سے میرے لئے کتابیں لاتے تھے اور پھر واپس لے جاتے تھے، ان کے ذریعہ جن کتابوں کے مطالعہ سے مستفیض ہوا ان میں سے یہ چند نام یاد رہ گئے ہیں الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ابن عبد البر، دلائل النبوۃ اصفہانی، سبحۃ المرجان فی آثار الھندوستان غلام علی آزاد بلگرامی، آکام المرجان فی احکام الجان ابو بکر شبلی بغدادی، حیاۃ الحیوان دمیری، الصواعق المحرقۃ ابن حجر مکی، العمدہ فی الشعر و نقدہ ابن رشیق قیروانی، المحاسن والاضداد جاحظ، الشعر والشعراء ابن قتیبہ، المیزان الکبریٰ شعرانی وغیرہ

مولانا حکیم صابر خان صاحبؒ کے یہاں سے یہ کتابیں لاکر پڑھیں، فقہ اللغہ ثعالبی، امثال العرب ضبی، نقد الشعر ابن قدامہ، کتاب الصناعتین عسکری۔

مدرسہ احیاء العلوم کے کتب خانہ سے یہ کتابیں پڑھیں: سیرت ابن ہشام، وفاء الوفاء سمہودی، المستطرف، دیوان فرزدق، نیز مختلف طریقوں سے ان کتابوں کے مطالعہ سے فائدہ اٹھایا، وفیات الاعیان ابن خلکان، کتاب الملل والنحل شہرستانی، العقد الفرید ابن عبد ربہ، رسالۃ الغفران ابو العلاء معری،

تہذیب التہذیب ابن حجر، توالی التاسیس وغیرہ

یہ ان کتابوں کے علاوہ ہیں جن کو میں خریدتا تھا اور رات دن ان کے مطالعہ میں مشغول رہتا تھا، ان کی فہرست آگے آرہی ہے۔ اسی طرح جمعیۃ الطلبہ کی لائبریری کی تقریباً تمام کتابیں کلی یا جزوی طور پر میرے مطالعہ میں رہ چکی ہیں اور میں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

جس دن کوئی نئی کتاب ہاتھ آجاتی، سب کچھ چھوڑ کر اسی کے مطالعہ میں غرق رہتا تھا، ان کتابوں کے پڑھنے کے ساتھ ان کے منتخبات جمع کرتا، مضامین لکھتا تھا، حالانکہ اس وقت تک ان کتابوں کو پوری طرح سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی بلکہ بہت سی کتابیں میری استعداد سے کہیں زیادہ بلند تھیں اور ان کو بہت کم سمجھ سکتا تھا، مگر جو کچھ اور جتنا سمجھ لیتا تھا اس سے میرے علمی حوصلہ میں بڑی توانائی آجاتی تھی، اور مزید مطالعہ کا شوق پیدا ہوتا تھا۔

اس زمانہ میں ہر منگل کو بازار میں عیسائی مشنری سے تقریری اور تحریری مباحثہ کرتا تھا اور اس سلسلہ میں تورات، انجیل اور ردّ نصاریٰ میں کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا۔

کثرتِ مطالعہ اور کتب بینی کی وجہ میری معلومات میں بہت اضافہ ہوا اسی لئے تقریر و خطابت میں بھی مدرسہ کے طلبہ میں نمایاں حیثیت حاصل تھی، اور قصبہ کے اندر باہر جلسوں میں اساتذہ سے پہلے تقریر کرتا تھا۔

ابتدا ہی سے شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا تو اپنے طور پر اچھی خاصی شاعری کرنے لگا، اور میرے اشعار مذہبی، سیاسی اور علمی جلسوں میں پڑھے جانے لگے بلکہ چھپنے لگے، اسی کے ساتھ مضمون نگاری بھی اپنے طور پر کرنے لگا اور میرے مضامین اخباروں اور رسالوں میں چھپنے لگے۔

الغرض میں نے کثرتِ مطالعہ، علمی استعداد، مضمون نگاری تصنیفی ذوق، شعر و شاعری، بحث و مناظرہ تقریر و خطابت میں شہرت کی حد تک کامیابی حاصل کرلی

صلاحیتوں کے دروازے کھل گئے، جولانی طبع اور علمی انبساط و نشاط ہر میدان میں رواں دواں معلوم ہونے لگا، اور خود اعتمادی کے ساتھ منزل مقصود تک پہونچا۔

میرے اساتذہ ان باتوں کی وجہ سے بہت خوش رہا کرتے تھے اور میری ہمت افزائی فرماتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ میری یہ تمام صلاحیتیں ان ہی کے خلوص و محبت اور مربیانہ تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھیں، وہ خود محنت کرکے اپنے شاگردوں سے محنت لیتے تھے، اور حساب کم و بیش سے یکسو ہوکر اس حرص میں گھلے جاتے تھے کہ ان کے شاگردوں کو علم آجائے۔

مطبوعاتؒ کی خریداری اور مخطوطاتؒ کی فراہمیؒ

اردو کی تعلیم کے زمانہ ہی سے مجھے کتابیں جمع کرنے کا شوق پیدا ہوگیا تھا، ساتھیوں سے کتابیں مانگتا اور خود بھی خریدتا تھا، مقامات مقدسہ کے نقشے، مختلف قسم کے سکّے جو اس چھوٹے قصبہ میں کہیں سے مل گئے جمع کیا اور ان سب کو لکڑی کی ایک چھوٹی سی صندوق میں جسے والدہ مرحومہ رسول پور سے لائی تھیں بحفاظت رکھتا تھا، اور ہر دوسرے تیسرے دن ان کو نئی ترتیب اور قرینے سے سجاتا تھا، یہ میرا پہلا کتب خانہ یا اسلامی عجائب خانہ تھا، عربی شروع کرنے کے بعد کتابی ذوق میں اضافہ ہوا، درسی کتابیں نانا مرحوم کے کتب خانہ سے لاتا تھا جسے دیکھ کر مجھے کتابیں جمع کرنے کا شوق ہوا تھا، او میزان و منشعب، علم الصیغہ، کافیہ، مرقاۃ، کفایۃ المتحفظ، کنزالدقائق، دیوان متنبی، مقامات حریری، وغیرہ خریدی اور اردو کتابوں میں تواریخ حبیب اللہ، الکلام المبین، حدائق البیان، الفاروق وغیرہ منگائیں، رسالہ "مولوی" دہلی سے ایک روپیہ سالانہ چندہ میں مستقل طور سے آتا تھا، اس کی جلدیں بناکر رکھتا تھا۔

جب عربی زبان میں کچھ استعداد پیدا ہوئی اور عربی کی غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کا شوق ہوا تو ادھر ادھر سے کتابیں تلاش کرکے پڑھنے لگا، اسی زمانہ میں ماموں مرحوم مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے میرے پتہ پر اپنے لئے عبدالصمد و اولادہ تجارت الکتب

سید واڑہ سورت سے مصری کتابوں کی فہرست اور کتب خانہ رشیدیہ دہلی کی فہرست منگائی
اس کے بعد میں نے بھی اپنے لئے ان دونوں فہرستوں کو منگایا، کچھ دنوں کے بعد
ابنائے مولوی محمد بن غلام رسول السورتی، تجارت الکتب بمبئی اور المکتبۃ العربیہ الکبریٰ
بمبئی کی فہرستیں بھی منگالیں، کتب خانہ رشیدیہ کے علاوہ سب فہرستیں عربی زبان
میں مصر کی چھپی ہوئی تھیں، ان میں سے بعض میرے کتب خانہ میں اب بھی محفوظ ہیں
ان میں فن وار کتابوں کے نام، مصنف کے نام ونسب، سنہ وفات، کتابوں کے
اجزاء اور قیمت کی تفصیل ہوتی تھی، بعض کتابوں کا تفصیلی تعارف بھی ہوتا تھا، اس
طور سے یہ فہرستیں بجائے خود عربی مطبوعات اور ان کے مصنفین کا دائرۃ المعارف
معلوم ہوتی تھیں، ان فہرستوں سے مجھے علمائے اسلاف کے تصنیفی کارناموں
اور مصر وشام وغیرہ کی مطبوعات کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہوئیں، اور
میرے علمی ذوق کو رہنمائی ملی، ان کو بار بار پڑھتا اور دیکھتا تھا، پھر اپنے ذوق اور
وسعت کے مطابق منتخب کرتا تھا، جی چاہتا تھا کہ کل کتابیں خرید لوں مگر سوال
پیسے کا تھا، گھر کی اقتصادی حالت کتابیں خریدنے کی بالکل اجازت نہیں دیتی تھی
اس لئے میں نے جلد سازی شروع کر دی، اور اس کا جملہ سامان مہیا کر کے ہر قسم
کی جلدیں بنانے لگا، سامان اعظم گڑھ سے لاتا تھا، صبح کو کچے راستہ سے
پیدل جاتا اور ظہر تک سامان خرید کر آجاتا، آتے جاتے بارہ میل کی مسافت چند گھنٹوں
میں طے ہو جاتی تھی، جلد سازی کی آمدنی کتابوں کی خریداری کے لئے محفوظ رکھتا تھا،
دوسری ترکیب یہ نکالی کہ کتب خانہ رشیدیہ سے تاجرانہ نرخ پر کتابیں منگانے لگا، عام
کتابوں پر روپیہ میں چار آنے، مصری کتابوں پر دو آنے، اور قرآن شریف اور پاروں
پر زیادہ کمیشن ملتا تھا - مدرسہ کے طلبہ اور قصبہ کے لوگوں کی فرمائش پر قرآن شریف
اور کتابیں منگا کر فہرست کے دام پر دیا کرتا تھا، محصول وغیرہ کے بعد کمیشن کی جو
رقم بچ جاتی اُسے بھی بحفاظت رکھ دیتا، اور جب کتابیں منگاتا تو کتاب کی قیمت اور اپنی
رقم کا اندازہ کر کے اپنے ذوق کی کوئی کتاب منگا لیتا تھا، ہر مہینہ میں دو تین پارسل

ڈاک یا ریل سے آتے تھے جن میں میری بھی کوئی کتاب ہوتی تھی، ایسا بھی ہوتا تھا کہ مطلوبہ کتاب کی قیمت جمع نہ ہونے کی وجہ سے کئی کئی مہینہ تک میری کوئی کتاب نہیں آتی تھی۔
اس طرح طالب علمی کے دس سالہ دور میں عربی کی نادر و نایاب امہات الکتب اور مصر، شام اور بیروت وغیرہ کی مطبوعات کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا، ان کتابوں کے بارے میں انتظار اور بیتابی کا یہ حال تھا کہ جس دن کتاب آنے والی ہوتی رات ہی کو خواب میں معلوم ہوتا تھا اور ڈاک خانہ یا اسٹیشن جاکر خود پارسل چھڑالاتا تھا۔ یہ دن میرے لئے روزِ عید ہوتا تھا، کئی دنوں تک ہر وقت کتاب ہاتھ میں لئے پڑھتا اور الٹتا پلٹتا رہتا تھا، اور دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کرتا تھا۔ اس دور کی ہر کتاب پر نماز پڑھی ہے، بلکہ یہ سلسلہ بہت بعد تک جاری رہا۔ پھر اوّلیں فرصت میں اپنے ذوق کے مطابق اس کی جلد بناتا، بعض اوقات جلد ناپسند ہوتی تو دوبارہ جلد بندی کرتا تھا، اس دور کی تمام کتابوں کی جلد سازی میرے ہاتھ کی ہے۔ مصنف کا حال تلاش کرکے لکھتا، اور کتاب کے اوپر کاغذ کا غلاف چڑھاتا، آج بھی میری تقریباً تمام کتابوں پر کاغذی غلاف چڑھا ہوا ہے۔ نیز ہر کتاب پر اس کی قیمت اور تاریخ خرید لکھتا۔

ذیل میں اس زمانہ کی غیر درسی عربی کی کتابوں کی فہرست مع قیمت و تاریخ کے درج ہے اس سے اندازہ ہوگا کہ کس طرح سال بہ سال علمی ترقی اور ذہنی تبدیلی ہوتی رہی، اور اُس زمانہ میں اُن کتابوں کی قیمت کیا تھی، اور اب کیا ہوگئی ہے۔

(۱) مختار الصحاح رازیؒ، قیمت ایک روپیہ، شعبان ۱۳۵۳ھ میں آئی، یہ میرے کتب خانہ کی مصری مطبوعات میں یہ پہلی کتاب ہے۔ مولانا شکر اللہ صاحب مدرسہ کیلئے میزان الاعتدال، تذکرۃ الموضوعات اور المستطرف وغیرہ ابناء مولوی محمد بن غلام رسول السورتی بمبئی سے منگوا رہے تھے، اُن ہی کے ساتھ یہ کتاب بھی آئی تھی، بعد میں کئی طالب علموں نے میرے ذریعہ سے اس کو خریدا۔

(۲) ادب الکاتب ابن قتیبہؒ، قیمت دو روپیہ، (۳) کتاب الاضداد فی اللغۃ ابن بشار انباریؒ، قیمت ایک روپیہ یہ کتابیں ایک ساتھ رمضان ۱۳۵۳ھ میں عبدالصمد داولادہ تجارت الکتب سورت سے آئیں،

(۴) کتاب المعارف ابن قتیبہؒ، قیمت ڈیڑھ روپیہ، رجب ۱۳۵۴ھ میں آئی،

(۵) دیوان نابغہ ذبیانی، قیمت دس آنے (۶) دیوان زہیر بن ابی سلمیٰ مع شرح اعلم شنتمری قیمت پانچ آنے (۷) العلم الخفاق فی علم الاشتقاق، نواب صدیق حسن خانؒ، قیمت چھ آنے (۸ و ۹) دیوان الخنساء مع دیوان حاتم الطائی قیمت غالباً آٹھ آنے ۔ یہ چاروں کتاب ایک ساتھ شوال ۱۳۵۴ھ میں المکتبۃ العربیۃ الکبریٰ بمبئی سے آئی تھیں -

(۱۰) مقدمہ ابن خلدون، قیمت ایک روپیہ چار آنے، ۱۳۵۴ھ کے سالانہ امتحان میں مقامات حریری میں اوّل آنے پر مولانا مفتی یٰسین صاحبؒ نے ایک روپیہ انعام دیا تھا، چار آنے خود لگا کر یہ کتاب منگائی -

(۱۱) دلائل الاعجاز عبدالقادر جرجانیؒ، قیمت غالباً دو روپیہ (۱۲) العمدہ فی الشعر و نقدہ ابن رشیق قیروانی دو جلدوں میں، قیمت دو روپیہ، یہ دونوں کتب خانہ رشیدیہ دہلی سے صفر ۱۳۵۵ھ میں آئیں (۱۳) الاخبار الطول ابو حنیفہ دینوری قیمت ڈیڑھ روپیہ (۱۴) طبقات الامم ابن صاعد اندلسیؒ، قیمت ایک روپیہ پانچ آنے، یہ دونوں کتابیں المکتبۃ العربیۃ الکبریٰ بمبئی سے ۲۶ / ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ میں آئیں -

(۱۵) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ابن حجر عسقلانیؒ، آٹھ جلدوں میں، قیمت دس روپیہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی سے رمضان ۱۳۵۵ھ میں آئی، اصل قیمت بارہ روپیہ تھی فی روپیہ دو آنے کمیشن کے بعد ساڑھے دس روپیہ ہوئی تھی مگر آٹھویں جلد کے آخری سادہ صفحہ کا کونا غائب تھا اس لئے آٹھ آنے کی مزید کمی ہوگئی تھی، آٹھوں جلدوں کی الگ الگ جلد بندی کی تھی پھر توڑ کر دو جلدوں کی ایک جلد بنائی (۱۶) فتوح البلدان، ابوالحسن بلاذریؒ، قیمت ایک روپیہ چودہ آنے شوال ۱۳۵۵ھ میں آئی تھی -

(۱۷) کتاب الفہرست ابن ندیمؒ، قیمت تین روپیہ، ۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ کو ایک دوست کے ذریعہ ابنا، مولوی محمد بن غلام رسول السورتی بمبئی سے منگائی (۱۸) شرح نخبۃ الفکر ابن حجر عسقلانیؒ، قیمت ساڑھے تین آنے (۱۹) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ابن قیمؒ، چار جلدوں ہیں، قیمت چار روپیہ (۲۰) دیوان الحماسہ ابو تمام طائی مع مختصر شرح تبریزی، دو جلدوں ہیں، قیمت دو روپیہ، یہ تینوں کتابیں کتب خانہ رشیدیہ دہلی سے رجب ۱۳۵۶ھ میں آئیں۔ (۲۱) الکامل فی اللغۃ والادب، مُبرِّدؒ، دو جلدوں میں، قیمت ساڑھے تین روپیہ (۲۲) فقہ اللغۃ مع سرّ العربیہ ثعالبی، قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے، یہ دونوں کتابیں رمضان ۱۳۵۶ھ میں کتب خانہ رشیدیہ دہلی سے آئیں۔ (۲۳) مشکوٰۃ المصابیح (اصح المطابع دہلی) قیمت دو روپیہ نو آنے، ۱۷ شوال ۱۳۵۶ھ میں آئی (۲۴) دیوان مجنون، قیمت تین آنے، ذوالحجہ ۱۳۵۶ھ میں آئی (۲۵) تفسیر ابن کثیر، چار جلدوں ہیں، قیمت دس روپیہ، ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۷ھ میں آئی (۲۶) صحیح البخاری مع حاشیۃ السندی، دو جلدوں ہیں، قیمت ایک روپیہ چودہ آنے، ۱۵ رجب ۱۳۵۷ھ میں آئی بعد میں کئی طلبہ نے میرے ذریعہ سے منگائی (۲۷) احیاء العلوم غزالیؒ، چار جلدوں میں برحاشیہ کتاب المغنی عن الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار عراقی، کتاب تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء، عبد القادر علوی کتاب الاملاء عن اشکالات الاحیاء غزالیؒ، اور عوارف المعارف، سہروردیؒ، قیمت چار روپیہ، ۱۶ شوال ۱۳۵۷ھ میں آئی۔ (۲۸) تذکرۃ الحفاظ، ذہبیؒ، چار جلدوں میں قیمت ساڑھے دس روپیہ، ۴ ذوالحجہ ۱۳۵۷ھ کو آئی (۲۹) کتاب الخراج امام قاضی ابو یوسف، قیمت ڈھائی روپیہ، ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۵۸ھ کو آئی (۳۰) تفسیر جلالین مع اسباب النزول، دو جلدوں ہیں، قیمت ایک روپیہ (۳۱) الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہؒ قیمت ڈیڑھ روپیہ، اِن دونوں کتابوں کی تاریخ خریداری نہیں لکھی تھی، یہ سب کتابیں کتب خانہ رشیدیہ دہلی سے آئیں (۳۲) سُنن ابن ماجہ (۳۳) سُنن نسائی (۳۴) سُنن ترمذی، یہ تینوں کتابیں پرانی تھیں، سستے دام پر ۱۳۵۹ھ میں

ایک طالب علم سے مرادآباد میں خریدیں - یہ سب ۳۴ کتابیں ۵۸ جلدوں میں ہیں جن کی مجموعی قیمت اس زمانہ میں ساٹھ ستر روپیہ کے درمیان تھی، جو آج کل کئی ہزار کے برابر ہے، یہ کتابیں نہایت عُسرت اور تنگدستی کی حالت میں کوڑی کوڑی جمع کر کے خریدیں -

اُردو کی تعلیم ہی کے زمانہ میں مجھے نادر سکّہ جات اور دوسری پرانی چیزوں کو جمع کرنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا، اس زمانہ سے قلمی اور نادر کتابوں کی تلاش و جستجو بھی رہا کرتی تھی، خاندان کے بڑے بوڑھوں سے سُنتا تھا کہ ہمارے یہاں قلمی کتابیں بہت زیادہ تھیں ڈیڑھ بورے کتابیں ایک کنویں میں ڈال دی گئیں، پردادا شیخ محمد رجب کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن شریف بہت بعد تک محفوظ تھا، مگر میری پیدائش یا ہوش سنبھالنے سے پہلے وہ بھی ضائع ہو گیا، البتہ ایک قدیم مطبوعہ مجموعہ خطب ملا ہے، جس کے آخر میں اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا جمعہ کا خطبہ ثانیہ اور عیدین کا خطبہ موجود ہے جس کے آخر میں سنہ ۱۲۹۰ھ درج ہے، عربی رسم الخط میں نہایت پاکیزہ اور خوشخط لکھا ہے، میرے پاس اب بھی محفوظ ہے۔ خاندان میں نیابت قضاء کے آخری دور کی چند سندیں تھیں جن کی پشت پر میں نے کاغذ چپاں کر کے ان کو محفوظ کر لیا تھا، وہ بھی خاندان کے ناقدروں کے ہاتھوں ضائع ہو گئیں، البتہ میں نے اسی زمانہ میں اِن سب کو نقل کر لیا تھا اور اپنی کتاب "مآثر و معارف" میں چھاپ دیا ہے، صرف ایک سند محفوظ ہے۔ اسی زمانہ میں کہیں سے قصہ شاہ جمجمہ اور اللہ خدائی کے قلمی نسخے مل گئے تھے جو اب تک محفوظ ہیں -

محلہ کے ایک بزرگ حاجی ولی اللہ تاجر کتب بازار کے دن قدم رسول کے چبوترہ پر اپنی دکان لگاتے تھے میں شام کو ان کی دکان پر جاتا اور کتابیں پڑھتا تھا، انہوں نے میرے شوق کو دیکھ کر "تفسیر مرتضوی" کا ایک نہایت نادر و نایاب قلمی نسخہ دیا، یہ شیخ غلام مرتضیٰ بن شیخ تیمور حنفی الہ آبادی متخلص بہ جنون کی چند سورتوں کی منظوم

تفسیر ہے. جو ۱۱۹۸ھ میں لکھی گئی ہے ۔ اردو زبان میں غالباً پہلی تفسیر ہے جو منظوم ہے ، شاید ایک آدھ نسخہ ہندوستان میں اور ہے ، میں نے اس کے آخر میں یہ یادداشت لکھی ہے :- " این نسخہ قدیمہ متبرکہ در مبارک پور یکے از تاجران کتب کہ پیر کہن سال بود، نامش حاجی ولی اللہ بود، و در دیار عرب یک زمانہ فروکش ماندہ بود مرا بطور ہدیہ در ۱۳۵۴ھ عنایت فرمود، و بعد چند سال انتقال کرد، نزد من این اول منظوم تفسیر است کہ بزبان اردو مسلسل گفتہ شد، واللہ اعلم بالصواب، وانا العبد الافقر القاضی عبدالحفیظ اطہر مبارکپوری ، غفرلہ ولمتعلقہ اجمعین" ۔

قصبہ کے ایک دوسرے تاجر کتب سے ایک چھوٹی سی نہایت ہی حسین وجمیل قلمی کتاب چھ آنے میں خریدی ، جس میں اسماءِ شہدآءِ بدر اور اسماءِ شہدآر احد بیحد خوشنما اور جاذبِ نظر عربی خط میں لکھے ہوئے ہیں ، جدول اور بین السطور مطلا ہے ، اس کے ایک کونے پر میں نے یہ یادداشت درج کی ہے :- ملکت ھذا الکتاب المبارک بالبیع الشرعی یوم الخمیس ۲۹ رشوال سنۃ ۱۳۵۷ھ، وانا القاضی ابو المعالی عبدالحفیظ المبارکفوری ، بخواب اندر متعلق این نسخہ مبارکہ مرا بشارت شدہ بود،

جو کتابیں میرے ذوق کی ہوتیں اور ان کے حصول کی کوئی صورت نہ ہوتی ان کو نقل کر لیتا تھا، اس کے لئے بڑا اہتمام کرتا تھا، موٹے کاغذ پر دھاگے سے مسطر بناتا، اچھے اچھے قلم مہیا کرتا اور پکی روشنائی تیار کرتا تھا، ہر کتاب کے آخر میں ترقیمہ میں دن، وقت، تاریخ اور سنہ لکھتا تھا، میرے کتب خانہ میں میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی مندرجہ ذیل کتابیں قابل ذکر ہیں ۔

(۱) کتاب النکت فی اعجاز القرآن ، ابوالحسن علی بن عیسیٰ رُمانی متوفی ۳۸۴ھ یہ کتاب ۳۲ صفحات کی ہے ، تاریخ کتابت ۱۲ رصفر ۱۳۵۴ھ ہے ۔ میں نے اس کے شروع میں مقدمہ اور آخر میں مصنف کے حالات عربی زبان میں لکھے ہیں ۔

(۲) کتاب الالفاظ المترادفہ ، ابوالحسن علی بن عیسیٰ رُمانی ، ۱۶۰ رصفحات

تاریخ کتابت ۱۴ / جمادی الثانیہ ۱۳۵۴ھ، میں نے اس کے شروع میں عربی میں مقدمہ لکھا ہے جس میں مختلف کتابوں سے مترادف کی تعریف اور اس کے اسباب وغیرہ لکھے ہیں۔

(۳) دیوان امرأالقیس ، مطبوعہ شرح دیوان امرأالقیس سے اس کے اشعار نقل کرکے آخر میں مختار الصحاح اور دوسری کتابوں سے زیادات نقل کئے ۳۳ صفحات میں ہے، میں نے ابتدا میں پانچ صفحات میں امرأالقیس کے حالات لکھے ہیں تاریخ کتابت رمضان ۱۳۵۴ھ ہے۔

(۴) مختصر الجرجانی فی اصول الحدیث علامہ میر سید شریف علی بن محمد بن علی جرجانی کا مختصر سا رسالہ ۱۶ / صفحات میں ہے، تاریخ کتابت بوقت عصر دوشنبہ ۱۰ / صفر ۱۳۵۵ھ

(۵) دیوان الفرزدق ، بیروت کے مطبوعہ دیوان سے نقل کیا، میں نے ابتدا میں عربی میں فرزدق کا حال لکھا ہے اس کے بعد ۱۱۴ صفحات ہیں، تاریخ کتابت وقت ضحیٰ یوم جمعہ ۱۶ / جمادی الثانیہ ۱۳۵۵ھ۔

(۶) انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء ، امام سیوطی کے مطبوعہ رسالہ سے نقل کیا، صفحات ۱۴۔ تاریخ کتابت ۷ / ربیع الاول ۱۳۵۸ھ۔

(۷) کتاب الدارات ، اصمعی کی مختصر سی کتاب ہے ، بیروت میں چند رسائل کے ساتھ چھپی تھی، آخر میں ۸۳ دارات کے نام ہیں ، اس کے بعد حریری کے دو رسالہ سینیہ اور شینیہ ہیں ، صفحات ۱۲، تاریخ کتابت ۲۰ / صفر ۱۳۵۵ھ۔

(۸) عروض و قوافی بیروت میں چھپا ہوا ایک رسالہ نقل کرکے ماموں مرحوم مولانا محمد یحییٰ صاحب سے تین مجلس میں پڑھا۔

(۹) الاستیعاب سے سیرت نبوی کا پورا حصہ کتابی شکل میں نقل کیا۔

(۱۰) فقہ اللغہ کی پہلی فصل، اور دوسری کتابوں سے لغوی و ادبی فوائد، عربی ادب کی تاریخ ، منتخب اشعار و الغاز ، علماءِ اسلام کے قصص و احوال وغیرہ ایک کتاب نما چھوٹی سی تقطیع کی بیاض میں جمع کئے، جواب تک موجود ہے، عربی

کتابوں سے اخذ و اقتباس اور جمع و ترتیب کا سلسلہ پورے دور طالب علمی میں جاری رہا اور بلا مبالغہ کئی سو صفحات سیاہ کئے۔

الغرض طالب علمی کے دور میں مطبوعات و مخطوطات کا ایک نہایت وقیع اور قابلِ قدر کتب خانہ جمع ہو گیا تھا جس میں مغز ہی مغز تھا چھلکے کا نام نہیں تھا، میں رات دن اُن کتابوں میں گُم رہتا تھا، ان کو ایک الماری میں نہایت قرینہ سے سجاتا، کیا مجال کی الماری میں کوئی کتاب آگے پیچھے یا نیچے اوپر پڑی رہے، جلد سازی کے وقت اہتمام کے ساتھ ابتدا میں سادے اوراق لگاتا جن پر کتاب کے مناسب فوائد و مضامین دوسری کتابوں سے نقل کرتا، کتاب کو داغ دھبہ سے بچا تار رکھنے اٹھانے میں احتیاط سے کام لیتا، میرے ساتھیوں اور دوستوں کو ان "بیکار" کتابوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، اس لئے میری اِن "قیمتی" کتابوں کے بارے میں کسی نے بخل اور کنجوسی نہیں کرنی پڑتی تھی اور نہ ہی کتابوں کے ضائع ہونے کا ڈر تھا، کتابوں کے ذوق و شوق کی وجہ سے بعد میں میرے پاس امہاتِ کتب کا ایک عظیم الشان ذاتی کتب خانہ بن گیا، جس میں عربی زبان کی نادر و نایاب مطبوعات و مخطوطات کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ اب اس کے رکھنے کی جگہ نہیں مل رہی ہے۔

مضمون نگاری اور تصنیف و تالیف

نانا مرحوم مولانا احمد حسین صاحب کا ذاتی کتب خانہ بہت بڑا تھا جس میں ہر قسم کی عربی، فارسی، اردو کی مطبوعات و مخطوطات تین بڑی بڑی الماریوں میں نہایت قرینہ سے رہتی تھیں، چھٹیوں میں نانا مرحوم ڈھاکہ سے آتے تو رات دن کتب بینی، تصنیف و تالیف اور دوا سازی میں مصروف رہا کرتے تھے، چٹائی پر کتابیں پڑی رہتی تھیں جن سے اخذ و اقتباس فرمایا کرتے تھے، میں ان کے علمی انہماک کو دیکھتا تھا مگر قریب جانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی، جب کہیں چلے جاتے تو اُن کے کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھتا اور پھر اسی طرح رکھ دیتا، بعض اوقات

ان کو پتہ چل جاتا، اور پوچھتے کہ یہاں کون آیا تھا اور میرا نام سُن کر خاموش ہو جاتے تھے۔

نانا بہ سلسلۂ مدرسی باہر رہتے تھے اور ماموں بہ سلسلۂ تعلیم باہر رہتے تھے ان کی عدم موجودگی میں رسول پور جاتا تو کتب خانہ میں بیٹھ کر کتابیں نکالتا اور پھر اسی طرح رکھ دیتا، اکثر کتابوں پر نانا کے تعلیقات و حواشی ہوتے تھے، بعض کتابوں کی ابتداء میں کئی کئی صفحات ان کے ہاتھ کے لکھے رہتے تھے اور میں ان کو بہت غور سے دیکھتا تھا، حالانکہ اُن کو سمجھنے کی صلاحیت بالکل نہیں تھی۔ مگر یہیں سے مجھ کو اخذ و اقتباس کا ذوق پیدا ہوا، اور اردو کی تعلیم ہی کے زمانہ میں اپنی استعداد کے مطابق اُن کے کاموں کی نقل کرنے لگا، عربی درجہ میں جانے کے بعد جب کتب بینی اور مطالعہ کا شوق بڑھا تو یہی روشنی کام آئی اور اسی دور میں مضمون نگاری اور تالیف کی طرف رجحان زیادہ ہوا۔

مدرسہ احیاء العلوم کے مدرسین و اراکین کو تصنیف و تالیف کا ذوق بالکل نہیں تھا، ایک مرتبہ بزم احباب احمد آباد نے ائمہ اربعہ کے سوانح پر مدرسہ کے طلبہ سے مضمون طلب کیا تو بڑی مشکل سے بعض اساتذہ نے اس کو ترتیب دیا، اس کے بعد احساس ہوا کہ طلبہ میں تحریر کا ذوق پیدا کرنا چاہئے اور اس کے لئے جمعیۃ الطلبہ کا قیام ہوا مختلف علوم و فنون خصوصاً تاریخ و ادب کی مستند کتابیں خریدی گئیں، علمی، ادبی اور مذہبی اخبارات و رسائل منگائے گئے اور الاحیاء، کے نام سے ماہوار قلمی رسالہ جاری کیا گیا جو چند نمبروں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ان کتب و رسائل سے میں نے بہت زیادہ استفادہ کیا، خصوصاً دار المصنفین، ندوۃ المصنفین، جامعہ ملیہ اور دار التراجم کی کتابوں اور معارف، برہان، جامعہ وغیرہ رسائل سے مجھے بہت رہنمائی ملی۔ ان کتابوں میں عام طور سے حوالہ ہوتے تھے ان کو دیکھ کر عربی کے اصل ماخذوں سے براہ راست استفادہ کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اس زمانہ میں تاریخ و طبقات کی متعدد کتابیں اسی داعیہ پر خریدیں

جب لکھنے پڑھنے کی کچھ شُدبُد ہو گئی تو والدہ مرحومہ کی کتابوں سے خلفاء اربعہ

اور ائمہ اربعہ کے مختصر حالات اس وقت کے ذوق کے مطابق ایک چھوٹی سی کاپی میں جمع کیے، اس کو تار سے سلا اوپر دبیز سُرخ کاغذ کا ٹائیٹل لگایا، یہ میرے تصنیفی اور تالیفی ذوق کا نقش اولیں تھا۔ اردو کے دوسرے یا تیسرے درجہ میں گیا تو مشکل الفاظ کے معنی لکھنے کے لئے ایک چھوٹی سی مجلد کاپی بنائی۔ نیز اُسی زمانہ میں ایک بہت سی چھوٹی کاپی میں نعتیہ اشعار جمع کیے، اس کی خوبصورت جلد بنائی، بچپن میں کتاب بنانے کا یہی ذوق آگے چل کر کتاب لکھنے کا سبب بنا۔

عربی شروع کی تو شاعری کے ساتھ مضمون نگاری کا شوق ابھرا، اور اخباروں اور رسالوں میں چھپنے کی ترکیب سوچنے لگا، سب سے پہلے میرا نام ایک پہیلی کے سلسلہ میں جامعہ ملّیہ دہلی کے رسالہ "پیام تعلیم" میں چھپا تو مولانا شکر اللہ صاحب نے بلا کر مجھے داد دی۔ اس کے بعد اخبار الجمعیۃ دہلی میں وار دھا کی خطرناک تعلیمی اسکیم کے عنوان سے ایک مختصر سا مضمون چھپا، پھر ۱۳۵۳ھ میں رسالہ "مومن" بدایوں میں ایک صفحہ کا مضمون مساوات کے عنوان سے شائع ہوا، کہنا چاہیے کہ میرا سب سے پہلا مضمون یہی ہے جو اس زمانہ میں شائع ہوا، پھر اسی رسالہ میں دوسرا مضمون رہا دین باقی نہ اسلام باقی کے عنوان سے دو صفحے کا چھپا، اسی زمانہ میں ہفتہ وار العدل گوجرانوالہ پنجاب میں ایک مضمون بلاکشانِ اسلام کے عنوان سے شائع ہوا، اڈیٹر نے اس کو مقالہ افتتاحیہ کی جگہ چھاپا تھا، ان مضامین کی اشاعت کے بعد مضمون نگاری کا سودا سر میں یوں سمایا کہ اس کے لئے باقاعدہ انتظام و اہتمام کیا، بازار سے ایک میز ایک روپیہ دو آنہ کی اور ایک اسٹول چھ آنے کا خریدا، ایک خوبصورت بڑا سا قلمدان بنوایا؛ اس پر سیاہ پالش کر کے پشت پر سفید حرفوں میں بخط عربی "علم بالقلم" لکھا سُرخ اور سیاہ روشنائی بنائی، قسم قسم کے قلم خریدے، اور اسی میز پر کاغذات اور قلمدان وغیرہ نہایت سلیقہ سے رکھ کر کتب بینی، مضمون نویسی اور شاعری کا مشغلہ جاری رکھتا تھا۔

مضمون نویسی کے بارے میں صرف میرا ذوق رہنما ہوا، اور خود اعتمادی نے

ہمت افزائی کی، معلومات کی فراہمی ان کی ترتیب اور اسلوب نگارش وغیرہ میں کسی کی رہنمائی حاصل نہ ہوسکی، اس لئے ایک مضمون کئی کئی بار لکھتا اور پھاڑ کر پھینک دیتا، اور کافی محنت کے بعد میرے ذوق کے مطابق ہوتا، ساتھ ہی خیال ہوتا کہ یہ مضمون قابلِ اشاعت ہوا یا نہیں، مگر جب بغیر کسی حک و اضافہ اور بلا تغیر و تبدل کے چھپ جاتا تو حوصلہ میں نئی جان آجاتی اور فوراً دوسرا مضمون تیار کرنے میں لگ جاتا۔

اسی دوران ۱۳۵۷ھ میں مولانا سید محمد میاں مرحوم مدرسہ شاہی مراد آباد سے جمعیۃ الطلبہ کے سالانہ جلسہ کی صدارت کے لئے تشریف لائے، مولانا نے اس زمانہ میں شاہی کمپنی مراد آباد سے رسالہ "قائد" جاری کیا تھا۔ میرے دوست مولوی عثمان صاحب نے مولانا کو میرے کچھ اشعار سنائے تو مولانا نے ازراہِ شفقت ان کو شائع کر دیا، اور مضمون لکھنے کی تاکید فرمائی، اس کے بعد مولانا مرحوم مستقل طور سے قائد میں میرے مضامین اور اشعار چھپنے لگے اور میں اس کے مستقل مضمون نگاروں میں شامل ہوگیا، بس کیا تھا؟ اندھے کو کیا چاہئے، دو آنکھیں، میری دلی مراد برآئی اور مضمون نگاری کی دُھن سوار ہوگئی، یکے بعد دیگرے مضامین تیار کرتا، کتابیں فراہم کرتا، مضمون میں کاٹ چھانٹ کرتا، عبارت درست کرتا اور مضمون لکھ کر پہلی فرصت میں روانہ کر دیتا تھا۔ مولانا مرحوم کی نگاہ شفقت میں یہ مضامین بہت بلند پایہ ہوتے اپنے خطوط میں خوب خوب ہمت افزائی فرماتے، ایک مرتبہ مجھ کو "مولانا قاضی عبدالحفیظ صاحب اطہر مبارک پوری فاضل دیوبند" کے خطاب سے نواز کر لکھا کہ آپ کے مضامین اعلیٰ درجہ کے اور معیاری ہوتے ہیں، زیادہ تعریف اس لئے نہیں کی جاتی ہے کہ کہیں آپ رسالہ قائد کو ان کے لئے نااہل نہ سمجھنے لگیں۔ میں نے نہایت ادب و احترام سے جواب دیا کہ طالب علم ہوں، ھدایہ وغیرہ پڑھتا ہوں۔ بعد میں جامعہ قاسمیہ میں جاکر مولانا مرحوم سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ جب تک رسالہ قائد

جاری رہا، میرے مضامین اس میں شائع ہوتے رہے، ایک مرتبہ میں نے مولانا مرحوم سے کتاب الخراج امام ابو یوسف کے مطالعہ کی خواہش ظاہر کی تو مولانا نے بڑی محبت و شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے کتاب عطا فرمائی میں نے اس کے اوپر عمدہ کاغذ لگا کر کتاب اور مصنف کا نام خوشخط اور جلی حروف میں لکھا، جب کتاب واپس کی تو مولانا نے ہاتھ میں لیتے ہی فرمایا کہ میں نے سمجھا کہ آپ نے یہ کتاب لکھی ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت! دعا فرمائیں - اور جب میری کتاب رجال السند والہند چھپی اور میں نے مولانا مرحوم کی خدمت میں بھیجی تو طالب علمی کے اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے لکھا کہ یہ آپ کی دعا، اور توجہ کی برکت ہے کہ میں اس لائق ہوا - واقعہ یہ ہے کہ مولانا مرحوم اس سلسلے میں میرے اوّلین محسن اور مُربّی ہیں اگر ان کی توجہ نہ ہوتی اور رسالہ قائد میں مضامین شائع نہ ہوتے تو شاید میں تصنیف و تالیف کے لائق نہ ہوتا، اور میری جولانیٔ طبع نامساعد حالات کی نذر ہو گئی ہوتی -

مضامین و اشعار کے شائع ہونے کے بعد شاعری اور مضمون نگاری کے ساتھ تصنیف و تالیف اور تلاش و تحقیق کا ذوق جرأت و ہمت دکھانے لگا، چنانچہ میں نے زمانۂ طالب علمی میں پانچ کتابیں لکھیں، دو عربی میں اور تین اردو میں -

(۱) سب سے پہلے شوال ۱۳۵۵ھ میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے مشہور اور متبرک قصیدہ بانت سعاد کی شرح عربی میں لکھی اور اس کا نام خیر الزادفی شرح بانت سعاد رکھا جو بڑے سائز کے بیس صفحات میں ہے، ابتداء میں تین صفحے کا عربی میں مقدمہ ہے جس میں حضرت کعب بن زہیرؓ کے حالات، قصیدہ کا واقعہ اور اس کی شعری تقطیع وغیرہ ہے یہ کتاب اب تک میرے پاس ہے، اور میں اس کو اپنی تصنیفی کوشش کا نقش اوّلیں سمجھتا ہوں -

(۲) وفیات الاعیان، تذکرۃ الحفاظ، فہرست بن ندیم سے علماء سلف اور ائمہ علم وفن کے واقعات مختلف عنوانات پر جمع کر کے عربی میں ایک کتاب "مرآۃ العلم" کے نام سے مرتب کی جو متوسط سائز کے ۴۰ ۵ صفحات کی ہے، آخر کے چھ صفحات میں علم و علماء سے متعلق اشعار ہیں، یہ کتاب بھی میرے پاس موجود ہے۔

(۳) ائمہ اربعہ کے عنوان سے میں نے رسالہ "قائد" میں ایک سلسلہ مضامین شروع کیا تھا اور وفیات الاعیان، تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، فہرست ابن ندیم وغیرہ سے اسی وقت کے معیار کے مطابق تحقیقی کام کی ابتداء کی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تہذیب التہذیب جلد دوم مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری مرحوم کے کتب خانہ سے لے کر اس سے استفادہ کیا۔ یہ سلسلہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر بعض وجوہ سے ختم ہو گیا، کچھ دنوں کے بعد اس کو کتابی شکل میں مرتب کیا جس میں ائمہ اربعہ کے مختصر حالات تھے۔ قیام لاہور کے زمانہ میں مرکز تنظیم اہل سنت نے شائع کرنے کے لئے کتابت کرائی، اسی دوران میں ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا، میں وطن تھا کاپی تصحیح کے لئے آئی، میں تصحیح کر کے روانہ کر دی اس کے بعد کچھ پتہ نہ چلا، اس کا مثنیٰ میرے پاس تھا ۱۳۶۸ھ میں بمبئی گیا تو سلطان کمپنی بھنڈی بازار نے شائع کرنے کا وعدہ کیا میں نے دوسرا مسودہ دے دیا، مگر چند دنوں کے بعد اس کا مالک مشرقی پاکستان چلا گیا، اور آج تک اس کا پتہ نہ چلا۔ تقریباً سوا سو صفحات کی یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود بہت جامع تھی۔

(۴) الاستیعاب، الاصابہ اور اسد الغابہ وغیرہ سے حضرات صحابیات رضی اللہ عنہن کے دل آویز اور سبق آموز واقعات الگ عنوان سے جمع کئے، اور "الصالحات" کے نام سے کتاب مرتب کی، اور قیام لاہور کے زمانہ میں

ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور کو چھاپنے کے لئے دی
اس کتاب کا بھی پتہ نہ چلا اور نہ ہی میرے پاس اس کا مسودہ ہے -

(۵) ان ہی ایام میں اصحاب صفہ کے نام سے ایک منظوم کتاب لکھی جس میں
تقریباً سوا دو سو (۲۲۵) اشعار تھے ، انداز نہایت والہانہ اور عقیدت مندانہ تھا اس میں
حضرات اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کے اسماء و احوال شاہنامۂ اسلام کے طرز پر
جمع کئے تھے ، مولانا سید فخرالدین احمد صاحب نے اسے دیکھ کر بہت پسند فرمایا
اور دو ایک جگہ اصلاح دی تھی اور مولانا سید محمد میاں صاحب نے اسے مزید تصحیح
کے لئے مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے پاس بھیج دیا، اور ان سے اصلاح کے بعد آ گئی
وطن واپس آیا تو اسی سال (۱۳۵۹ھ) شباب کمپنی بمبئی (ابناء مولوی محمد بن غلام
رسول السورتی) کے لئے بعض عربی کتابوں کا ترجمہ کیا اور رسالہ "اصحاب صفہ"
اسی کمپنی کو دیا، مگر اس کی بھی اشاعت نہ ہو سکی، میرے پاس اس کی نقل بھی نہیں
ہے ، اس کا مجھے بے حد افسوس ہے خاصے کی چیز تھی -

مضمون نگاری، شاعری کے ابتدائی نمونے

جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں قلم پکڑنے اور کچھ نہ
کچھ لکھنے کا شعور اردو تعلیم کے زمانہ ہی سے پیدا ہو گیا تھا، عربی شروع کی تو اس کا
شوق زیادہ ہو گیا اسی زمانہ میں رسالہ "مومن" بدایوں کے اڈیٹر مولوی محمود الحسن صاحب
توسیع اشاعت کے لئے مبارک پور آئے ، میں ان سے ملتا رہا، انہوں نے میرے
شوق کو دیکھ کر کہا کہ تم مضمون لکھو میں شائع کروں گا ، ان کی شہ پا کر میں نے
دو مضمون جلدی میں لکھ کر ان کو بھیج دیئے ایک کا عنوان "مساوات" تھا جو سنہ ۱۳۵۳ھ
دسمبر سنہ ۱۹۳۴ء کے رسالہ مومن میں چھپا، یہ "جناب مولوی عبدالحفیظ صاحب اعظمی متعلم
مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور" کا پہلا مضمون تھا - ملاحظہ ہو :-

بنی نوع انسان میں مساوات و یکسانیت کا حد اعتدال پر قائم
رکھنا اتنا ضروری اور لازمی امر ہے کہ جس کے بغیر نہ کسی سلطنت کا نظام

اچھی طرح قائم رہ سکتا ہے، اور نہ دنیا کی کوئی جماعت فروغ پا سکتی ہے،
جو مذہب یا قانون مساوات و یکسانیت سے خالی ہے سمجھ لو کہ وہ بالکل
ناقص ہے اسی طرح جو جماعت یا سوسائٹی اپنے افراد میں مساوات و یکسانیت
بدرجۂ اتم قائم و برقرار نہ رکھ سکتی ہو یقین کر لو کہ وہ آج نہیں تو کل دنیا سے
فنا ہو جائے گی، اس طرح ہر نظام اور ہر سوسائٹی کی روح رواں حقیقت میں
مساوات اور صرف مساوات ہے، آج کل دنیا کی کوئی قوم اور مذہب
ایسا نہیں جو مساوات کا دعویدار نہ بنتا ہو۔ لیکن جب ایک انصاف پسند
انسان صحیح طریقے پر اس کی جانچ کرنے بیٹھتا ہے تو اسلام کے سوا دنیا کا
کوئی مذہب اس امتحان میں پورا نہیں اترتا، اور حقیقت بھی یہ ہے کہ
اسلام نے اُس دور میں دنیا کے اندر مساوات کی بنیاد ڈالی جب کہ
سارے عالم پر خود نمائی اور خود پسندی کا بھوت سوار تھا۔ کہا جاتا ہے
کہ اسلام دنیا سے بت پرستی مٹانے آیا تھا بیشک اس نے ظاہری
بتوں کی پرستش کو بھی دنیا سے مٹایا اور غرور و پندار کے بتوں کو بھی سارے
جہاں سے نیست و نابود کیا، عرب جہاں پتھر کے خود تراشیدہ بتوں کی
پرستش میں مبتلا تھا وہاں اس میں خود ساختہ خاندانی بت اور نسلی
شرافت کی دیویاں بھی بکثرت پوجی جاتی تھیں اور اکثر غریب اور کمزور
جماعتوں کے حقوق نہایت بے دردی کے ساتھ پامال کر دیئے جاتے تھے،
اسلام نے آکر اہلِ عرب سے اس لعنت کو دور کیا غریبوں کو نوازا اور
غلاموں کی دلجوئی کی، جس کی برکت سے اہل عرب میں ایک اجتماعی طاقت
پیدا ہوئی اور پھر دیکھتے دیکھتے آنِ واحد میں سارے جہان پر چھا گئے اور
تھوڑی ہی مدت میں اسلام ایک عالمگیر مذہب بن گیا۔ فروغ اسلام
کے متعلق یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں
کر سکتا۔ لیکن آپ ذرا غور سے کام لیں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ

مسلمانوں کے اس قابلِ رشک فروغ میں صرف ایک باہمی مساوات ویکسانیت کا راز پنہاں تھا جس کو اسلام نے کبھی اور کسی حالت میں نظرانداز کر دینا روا نہ سمجھا اور اب تک بھی تمام اسلامی کتابیں اس یکسانیت و مساوات کی پاک تعلیم سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں اور قانونِ اسلام کی ساری دفعات واحکامات میں اس وقت تک پوری پوری مساوات ویکسانیت موجود ہے۔ چنانچہ آپ کو ایک شعبہ بھی ایسا نہیں ملے گا جس میں پوری پوری مساوات نہ پائی جاتی ہو۔"

اردو تعلیم ہی کے زمانہ سے شعر وشاعری کا ذوق ابھرنے لگا تھا اس وقت میری عمر تیرہ چودہ سال کی تھی، مضمون نگاری کی طرح شعروشاعری میں بھی کسی سے اصلاح یا مشورہ کی باری نہیں آئی اور اپنے ذوق ہی کو رہنما بنایا، خوداعتمادی کے ساتھ آگے بڑھا تو اس میں بھی بہت زیادہ انہماک ہوگیا، درسی کتابوں کے ساتھ غیر درسی کتابوں کا مطالعہ، مضمون اور شعر وشاعری یہ تمام مشاغل بیک وقت جاری تھے، گھر کے روزمرہ کے کام کاج مزید برآں تھے، آئے دن جلسوں کے لئے ملی، قومی، سیاسی اور مذہبی نظمیں کہنے لگا۔ ان ہی ایام میں جامع مسجد کی تعمیر کا اجتماعی اندازمیں چندہ ہونے لگا اور لوگوں میں بے انتہا جوش تھا، اس کے لئے ایک ایک دن میں چار چار پانچ پانچ نظمیں کہتا تھا، اس وقت میری شاعری جنون کی حد تک پہونچ گئی، اشعار ابلتے تھے، بعض اوقات چاروں طرف سے مجمع مجھے گھیر کر کہتا کہ ابھی ایک نظم کہو فلاں صاحب کے یہاں چندہ میں پڑھنی ہے اور میں اسی حالت میں اشعار کہتا جو فوراً پڑھے جاتے تھے، اور روپیہ برسنے لگتا تھا۔ مولانا شکراللہ صاحبؒ بھرے مجمع میں خوب خوب تشجیع فرماتے تھے، ایک مرتبہ مجھے ایک حکیم صاحب کی دوکان پر بھیجا انہوں نے مجھے کوئی مقوی دماغ معجون دیا میں اس کو مولانا کے پاس لایا تو کہا کہ تم اس کو صبح وشام استعمال کرو اس سے دماغی طاقت بڑھے گی، میں نے عرض کیا کہ مجھے کسی قسم کی دماغی کمزوری محسوس

نہیں ہو رہی ہے یہ کہہ کر فوراً واپس کر دیا ۔ اسی زمانہ میں میری بعض غزلیں اور نظمیں چھپی تھیں ۔ رسالہ الفرقان بریلی جمادی الثانیہ ۱۳۵۷ھ میں "مسلم کی دعا" کے عنوان سے میری پہلی نظم شائع ہوئی تھی ۔

جامع مسجد کے چندہ کے سلسلہ میں بہت سی نظمیں کہی تھیں، ان سب کو "اذانِ کعبہ" کے نام سے جمع کر لیا ہے، ایک نظم کے چند بند ملاحظہ ہوں :-

نظر جب جب اٹھائی جا رہی ہے
جھلک کعبہ کی پائی جا رہی ہے

نظر میں نور پیدا ہو رہا ہے　　یہ دل شادِ تمنا ہو رہا ہے
زمیں پر عام چرچا ہو رہا ہے　　فلک پر شور برپا ہو رہا ہے
کوئی مسجد بنائی جا رہی ہے

بناؤ مسجدِ جامع بناؤ　　بڑھاؤ دین کی شوکت بڑھاؤ
کماؤ دولتِ عقبیٰ کماؤ　　بلاؤ روحِ حاتم کو بلاؤ
یہاں ہمت دکھائی جا رہی ہے

مسلمان! سُن ذرا گوشِ صفا سے　　مسلمان! کام لے جود و سخا سے
مسلمان! جوڑ رشتہ مصطفےٰ سے　　مسلمان! تیری مذہب سے خدا سے
محبت آزمائی جا رہی ہے

تعالی اللہ یہ پُر نور مسجد　　حقیقت میں ہے رشکِ حُور مسجد
ہے نگہِ خاص کی منظور مسجد　　سدا اطہر! رہے معمور مسجد
بہت بہتر بنائی جا رہی ہے

ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں "باب مَن رفعہ الشعر ومَن وضعہٗ" کے تحت کئی ایسے شعراء کا حال لکھا ہے جو اپنی شاعری کی وجہ سے ابھرے، اور کئی شعراء گمنام ہو گئے ۔ میری خودرو شاعری نے

مجھے آگے بڑھانے میں بہت مدد کی، لاہور کے اخبار "زمزم" اور اخبار "مسلمان" (بعد میں کوثر) میں میرے اشعار کثرت سے چھپتے تھے، جس سے میں بحیثیت شاعر مشہور و متعارف ہوا، اور یہی تعارف مرکز اہل سنت امرتسر اور اخبار زمزم لاہور جانے کا سبب بنا اور یہی بمبئی جانے کا سبب بنا، اس طرح میری شاعری نے مجھے بہت فائدہ دیا مگر اب اس سے میرا تعلق نہیں رہا، معلوم نہیں میں نے اس سے بے وفائی کی یا اس نے مجھے اچھی راہ پر لگا کر خود کنارہ کشی کر لی۔

زمانۂ طالب علمی میں شعر و شاعری عموماً مفید ثابت نہیں ہوتی ہے لیکن اگر سلیقہ اور اعتدال سے ہو تو بہت خوب اور مفید ہے اس سے ذہنی اور فکری جلا پیدا ہوتی ہے۔

میں نے دیسی یعنی قدیم طریقۂ تعلیم کے ایک مدرسہ میں چار قصباتی اساتذہ سے عربی کی تعلیم حاصل کی جس میں ادب و عربیت بھی شامل ہے عام طور سے ایسے مدارس میں عربی شعر و ادب کی قدیم کتابیں قدیم طرز پر پڑھائی جاتی ہیں کیونکہ کتاب و سنت کی زبان یہی قدیم عربی ہے اور مدرسوں کا مقصد کتاب و سنت کی تعلیم براہِ راست عربی زبان میں ہے اسی طرزِ تعلیم سے ہندوستان میں عربی کے عظیم مصنّف پیدا ہوئے ہیں اور ان کی تصانیف، حواشی اور شروح زبان و ادب کے اعتبار سے معیاری تسلیم کی جاتی ہیں۔

میرا عربی ادب کا ذوق مقامات حریری، دیوان حماسہ، دیوان متنبّی، سبعہ معلقہ کے درس اور لغت و ادب کی کتابوں کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ سنہ ۱۳۵۵ھ میں قصیدہ بانت سعاد کی عربی شرح لکھی تو اس کا مقدمہ کچھ اس طرح لکھا:-

الحمد للہ الذی اسبغ علینا من النعم، وجعل

فی لسان العرب من اللطائف والحکم، والصلاۃ والسلام علی حبیبہٖ نبینا المکرم، المبعوث الی کافۃ الامم، وعلی آلہٖ واصحابہ الذین ھم مصابیح الظلم، صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم، امّا بعد فیقول العبد الاحقر القاضی عبد الحفیظ محمد اطہر المبارکفوری انی اردتُ ان اشرح قصیدۃ بانت سعاد، الذی طارت شہرتہٗ فی اطراف العالم والابعاد، لکعب بن زہیر بن ابی سُلمیٰ رضی اللّٰہ عنہ، ووفقنی اللّٰہ منتصف شوال المکرم سنۃ خمس وخمسین وثلثمائۃٍ بعد الالف، فشرحتُہٗ کیف ما قدرت طاویاً کشح القیل والقال، لئلا یوجب الملال والاختصار، لئلا یکون سبباً للکلال، وسمیتہ خیر الزاد فی شرح بانت سعاد" وھذا اوّل جولان یراعی فی میدان القرطاس وانا غمر جاھل من مثل ھذا الشان، فانہٗ ما اغبر مذ نیطت عن التمائم ونیطت لی العمائم الّا برھۃ من الزمان وانا معترف بعجز والتمس من السادۃ الکرام، ان یصفحوا عن زلّاتی واعرضوا من ان یاخذ وا عرضتہ للملامۃ، والمسئول من اللّٰہ تعالیٰ ان یجعلہٗ خالصاً لوجھہ الکریم، ومنہ التوفیق والعصمۃ ومنہ الاستعانۃ فی کل امر۔

طبعی رجحانات

طالب علمی کا تقریباً پورا دور عسرت اور تنگی میں گذرا، کھانے پینے اور پہننے میں کفایت شعاری اور سادگی ہی رہی۔ اس وقت آج کل کی طرح معاش و معیشت کی فراوانی و

فراخی نہیں تھی، عام طور سے لوگ رُوکھی پھیکی زندگی کے عادی تھے، اس لئے تنگدستی اور غربت کا احساس نہیں تھا، بلکہ سب لوگ اسی زندگی پر راضی و خوش رہا کرتے تھے، اس میں بڑی خیر و برکت تھی میں بھی ہر معاملہ میں اپنے ذوق و شوق کے مطابق سامان مہیّا کر لیا کرتا تھا، اور کبھی احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہوا،

سفید گزّی گاڑھے کا کرتا پائجامہ عام لباس تھا، شروانی بہت کم پہنتا تھا، اوپر صدری ہوا کرتی تھی، ٹوپی کشتی نما اچھے کپڑے کی ہوتی تھی، جوتا اس زمانہ کے لحاظ سے قیمتی ہوتا تھا، عطر کی شیشی ہمیشہ جیب میں رکھتا تھا، کپڑے خود ہی دھو لیا کرتا تھا، یہی وضع قطع آج بھی باقی ہے، مگر اب احساس ہوتا ہے کہ اتنی سادگی بھی اچھی نہیں ہے، بلکہ بعض اوقات مُضر، مُوہم بخل اور باعثِ تحقیر ہو جاتی ہے۔

مدرسہ کے طلبہ جو اکثر قصبہ اور اطراف کی بستیوں کے ہوا کرتے تھے، عصر کے بعد عیدگاہ پر جمع ہوتے تھے، یہ بہت پُرفضا جگہ ہے، شمال میں سامنے سمودی کا وسیع و عریض تالاب، عیدگاہ کے کچے صحن میں نیم کے درختوں کی قطار، جنوب میں تا حدِ نظر میدان، اور آس پاس سرسبزی و شادابی عجیب جاذبِ نظر اور دلکش منظر پیدا کرتی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حافظ شیرازی کا "کنارِ آبِ رکناباد، و گل کشتِ مصلّیٰ"، یہیں پر آگیا ہے اسی زمانہ میں "برسات کی چاندنی رات" کے عنوان سے میں نے ایک نظم کہی تھی، جس میں یہ شعر بھی تھا:

دور کچھ یان سے سمودی کے کنارے آم پر
اِک پپیہا دے رہا تھا جاں پیا کے نام پر

میں بڑے اہتمام اور نہایت ذوق و شوق سے یہاں کی تفریح میں شریک رہا کرتا تھا، اس زمانہ میں یہی تفریح تھی۔

عشاء کے بعد درسی کتابوں کے مطالعہ میں لگ جاتا تھا جو عام طور سے تین چار ہوتی تھیں، اور کل دن کے اسباق کو رات میں حل کرنے کی کوشش کرتا تھا، اس کے بعد غیر درسی کتابوں کے مطالعہ مضمون نگاری، اور شاعری میں لگ جاتا تھا، اس سے فراغت کے بعد چارپائی پر جاتا تو کوئی غیر درسی کتاب ہاتھ میں ہوتی تھی، یا شعر و شاعری کا مشغلہ رہتا تھا۔

علمی و تعلیمی نشاط کے ساتھ بلند حوصلگی، عالی ہمتی اور خودسازی کا احساس ہر معاملہ میں نقطۂ عروج پر رہتا تھا۔ بڑوں اور بزرگوں کا واجبی احترام مدِّ نظر رہتا تھا مگر بیجا عقیدت نہیں تھی، بعض اوقات قصبہ کے بڑوں کے یہاں طلبہ و مدرسین کی دعوت ہوا کرتی تھی، میں کسی بہانے سے بچ کر ان کے لقمۂ تر کے مقابلہ میں اپنی نان جویں میں زیادہ لذت پاتا تھا۔

مرادآباد گیا تو ابتداء میں ایک گھر سے کھانا لانا پڑتا تھا، ایک آدھ ہفتہ ضمیر پر جبر کر کے چھُپتے چھُپاتے یہ کام کیا، پھر ڈھائی روپیہ ماہوار مدرسہ سے وظیفہ لے کر اس سے نجات حاصل کر لی، اور ایک معمولی ہوٹل میں چھ پیسہ فی وقت کے حساب سے کھانا کھانے لگا، قیامِ مرادآباد کی مدت میں پچاس ساٹھ روپئے گھر کے خرچ ہوئے، میری پوری تعلیم پر بہت ہی کم خرچہ ہوا ہے۔

آگے چل کر کفایت شعاری، سادگی، خودسناشی اور کم آمیزی نے بہت فائدہ دیا، اسی کی برکت ہے کہ بمبئی جیسے شہر میں مدتِ دراز تک رہنے کے باوجود میں بمبئی والا بالکل نہیں بن سکا، بڑی بڑی عقیدت مندانہ پیش کش کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا، تملّق، چاپلوسی، اور خوشامد سے نفرت رہی، اور مدرسہ کی فضا میں جو ذہن و مزاج بنا تھا وہ اس شہر کی رنگینی اور دولت کی نذر نہ ہو سکا، اور الحمد للہ کہ میں نے اس شہر کے ایک معمولی کمرہ میں بیٹھ کر وہ کام کیا جو بڑی بڑی تنخواہوں پر علمی اور تصنیفی و تالیفی اداروں میں کیا جاتا ہے، اور اس سے دولت کمائی جاتی ہے۔

میں نے اپنی کسی کتاب پر نہ کسی قسم کا معاوضہ لیا، نہ رائلٹی کی بات کی، اور نہ اس کے لئے کوئی تحریر لکھی، بلکہ علم کی خدمت واشاعت کے جذبہ سے لکھیں اور اسی جذبہ سے ناشروں کو ان کی طباعت واشاعت کی اجازت دی۔

قیام مرادآباد کے دوران پہلی مرتبہ دہلی گیا، تو ندوۃ المصنفین میں جانا ہوا، اور اس کے ناظم مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی مرحوم سے ملاقات ہوئی، میرے دوست مولانا محمد عثمان صاحب ساتھ تھے، اس بار بھی انہوں نے مبالغہ آمیز انداز میں میرا تعارف کرایا، مفتی صاحب نے اس وقت مجھ سے فرمایا کہ "برہان" کے لئے مضامین لکھا کریں، معاً خیال ہوا کہ ندوۃ المصنفین اور اس کے ترجمان "برہان" کے معیار پر میرے مضامین کہاں پورے اتر سکتے ہیں؟ مگر اللہ کی شان کہ بعد میں اس ادارہ سے مفتی صاحب مرحوم نے میری آٹھ کتابیں اعلیٰ معیار پر شائع کیں اور اب رسالہ برہان کے اعزازی ادارت کی باری آگئی

ایام طالب علمی میں حدیدی حروف کی مصری کتابوں سے بیحد شغف تھا، خوب خریدتا تھا اور خوب پڑھتا تھا، سوچتا تھا کہ کیا کبھی میری بھی کوئی کتاب اس طرح چھپ سکتی ہے؟ پھر خیال ہوتا تھا کہ مجھ جیسے بے سہارا اور بے نوا کے لئے یہ خیال خام اور اضغاث احلام ہے، مگر یہ تمنا بھی پوری ہوئی، اور اب تک میری تین کتابیں بمبئی میں اور تین کتابیں قاہرہ میں ان ہی حروف میں چھپ چکی ہیں اور اردو کی دو کتابوں کے عربی ترجمے قاہرہ اور ریاض سے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔

بچپن میں سُنن ونوافل کا بہت اہتمام کرتا تھا، اکثر خواب سچے ہوا کرتے تھے، لوگوں کی صورت دیکھ کر نام بتانے کا ذوق تھا اور نوے فیصدی صحیح ہوتا تھا، دعا تعویذ سے شغل کبھی نہیں رکھا، مگر اسی زمانہ میں اعمالِ قرآنی، تعویذ سلیمانی، نقش سلیمانی، حرز سلیمانی وغیرہ خرید کر پڑھتا تھا، قوتِ خیالیہ کے کرشمے دکھائی دیتے تھے، اگر اسی راہ پر لگ جاتا تو زہد وتصوف کا رنگ

غالب ہوتا یہی وجہ ہے کہ احسان و تصوّف کا ذوق فکری حد تک اب بھی ہے گو عملی طور سے اس سے دور ہوں، حقیقی تصوف اور صوفیہ سے عقیدت و محبت ہے اور بزرگانِ دین اور مشائخ عظام کے تذکرے میں بڑا لطف و سکون پاتا ہوں۔

شعروشاعری کا ذوق ابھرا تو اتنا غلو ہوا کہ خواب میں اشعار کہنے لگا، اگر یہ صورت باقی رہتی تو اچھا خاصا شاعر بن گیا ہوتا۔ تعلیم و تدریس کا سلسلہ زمانۂ طالب علمی سے جاری تھا اور اسی میں زندگی بسر کرنے کا ارادہ تھا، مدرسوں کی فضا صاف ہو تو یہ زندگی بڑی پُرسکون اور خیروبرکت کی ہے، اگر مدرسہ والے مجھے قبول کر لیتے تو میں بہترین مدرس ہو گیا ہوتا، اس کے باوجود ہر حال میں کسی نہ کسی طرح یہ سلسلہ جاری رکھا — ان سب رجحانات پر علمی و تحقیقی ذوق یوں غالب رہا کہ ابتدائی چند سالہ مدرسی کے بعد تقریباً پورا دور صحافت اور اخبار نویسی جیسی سطحی مشغولیت میں گذرا مگر میں نے صحافی اور اخبار نویس بننا گوارا نہیں کیا بلکہ اس کو صرف ذریعہ معاش بنا کر اور اپنے کو علم و تحقیق اور تصنیف و تالیف میں مشغول رکھ کر " خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ " کے مانند کام کیا۔
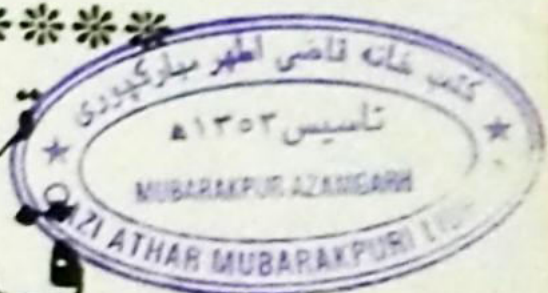
****

فراغت کے بعد کا علمی سلسلۂ حیات

بجا از خارِ مغیلان پراست وادیٔ شوق
شفیق آبلہ می رَوَدْ ، خدا حافظ!

دورِ جہدِ مسلسل تحصیلِ علم سے اضافی اور عربی فراغت کے بعد تعلیم و تدریس سے ذمہ دارانہ زندگی شروع ہوئی، اور شوال ۱۳۵۹ھ سے ۱۳۶۴ھ (۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۴ء) تک مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور سے منسلک رہا، اس درمیان میں رابطۃ الادبار کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تاکہ اساتذہ اور تلامذہ میں عربی زبان وادب کا ذوق پیدا ہو، مجلہ رابطۃ الادبار کے نام سے دو تین نمبر بھی نکالا، مگر کام آگے نہ بڑھ سکا اسی زمانہ میں شباب کمپنی بمبئی (ابنا ر مولوی محمد بن غلام رسول السورتی) کے لئے سید جمال الدین افغانی کے دو عربی رسالوں کا ترجمہ کیا، سہ روزہ زمزم لاہور، ہفتہ وار مسلمان لاہور اور ہفتہ وار العدل گوجرانوالا میرے نام مستقل طور سے آتے تھے ان میں میرے اشعار و مضامین چھپتے تھے، مدرسی کا یہ چار پانچ سالہ دور میرے حق میں صبر ایوب اور گریۂ یعقوب کا دور تھا،

۲۷ نومبر ۱۹۴۴ء سے ۱۲ جنوری ۱۹۴۵ء تک مرکز تنظیم اہل سنت امرتسر سے وابستہ رہکر ردِ شیعیت و قادیانیت میں مضامین لکھنے لکھانے اور چھپانے میں وقت گذرا، اور اس سلسلہ میں سہ روزہ زمزم لاہور میں آمد و رفت رہی، جس میں میرے اشعار شائع ہوتے تھے، جب زمزم والوں کو کچھ دن کے بعد پتہ چلا کہ میں دہی ہوں تو مجھے اپنی طرف کھینچ لیا، ۱۳ جنوری ۱۹۴۵ء سے یکم جون ۱۹۴۶ء تک زمزم کمپنی لمیٹیڈ لاہور سے منسلک ہوکر ساڑھے نو سو صفحات میں منتخب التفاسیر مرتب کی، قیامِ لاہور کے دوران والد صاحب مرحوم حج کے لئے گئے تو شوال ۱۳۶۶ھ سے صفر ۱۳۶۷ھ (یکم اکتوبر ۱۹۴۶ء تا جنوری ۱۹۴۷ء) تک مدرسہ احیاء العلوم میں عارضی مدرسی کی، اور ۷ جنوری ۱۹۴۷ء سے سہ روزہ زمزم، روزنامہ ہوا تو میں نے اس کے ایڈیٹر مولانا محمد عثمان فارقلیط صاحب مرحوم کی زیر تربیت اس سے منسلک ہوکر ان سے صحافت اور اخبار نویسی سیکھی، اور تقسیم ملک سے کچھ پہلے ہم دونوں اپنے اپنے وطن اس خیال سے آگئے کہ تقسیم کے ہنگامہ کے بعد واپس آجائیں گے، الغرض جنوری ۱۹۴۵ء سے مئی یا جون ۱۹۴۷ء

تک لاہور میں قیام رہا۔

اس درمیان میں یہ کتابیں لکھیں (۱) منتخب التفاسیر جس کی کتابت تیرہ پاروں تک ہوچکی تھی (۲) علمائے اسلام کی خونیں داستانیں جسکو جناب احسان دانش مرحوم مکتبہ دانش مزنگ لاہور نے شائع کرنے کے لئے چار سو صفحات تک کتابت کراچکے تھے (۳) ائمہ اربعہ کی پوری کتابت مرکز تنظیم اہل سنت امرتسر نے کرائی تھی (۴) الصالحات کو ملک دین محمد اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور نے طباعت واشاعت کے لئے لیا تھا، مگر افسوس کر ان سے کوئی کتاب شائع نہیں ہوسکی اور تقسیم ملک کی نذر ہوگئی

نیز اسی درمیان حیاتِ امام بن حنبل، حیاتِ امام لیث بن سعد مصری، الطبابۃ عند العرب، اور دوسرے موضوعات پر معتدبہ معلومات جمع کیں، نیشنل لائبریری لاہور کا ممبر بن کر وہاں سے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ سبکی، خلاصہ تاریخ ابن عساکر اور دوسری کتابیں لاکر پڑھا اور ان سے اقتباسات جمع کئے اور مندرجہ ذیل کتابیں خریدیں تہذیب التہذیب ابن حجر بارہ جلدوں میں، دیوان الحماسہ ابن شجری التبیان فی اقسام القرآن ابن قیم، شرح الفقہ الاکبر، الصراع بین العلم والدین وغیرہ، مولانا محمد عثمان فارقلیط جناب احسان دانش، مولانا حبیب الرحمٰن برادر زادہ مولانا محمد سلیمان منصورپوری مصنف رحمۃ للعالمین مولانا احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی، جناب ابوسعید بزمی، پروفیسر خان عبدالحمید خان پروفیسر جھنگ کالج مصنف جدید آلات جنگ، یہ سب حضرات چاہتے تھے کہ میں لاہور میں رہ کر تصنیف تالیف کا سلسلہ جاری کروں، مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، لاہور کی یادگاروں میں تین کتبے ہیں جو جامع مسجد احیاء العلوم کی محراب میں کندہ ہیں میں نے انکو لاہور میں عبدالرشید محبوب الرقم سے لکھوایا تھا، [illegible] کی ابتداء میں مولانا محفوظ الرحمٰن نامی مرحوم سکریٹری حکومت یو، پی کی زیر نگرانی بہرائچ سے ہفتہ وار اخبار انصار جاری کیا جس میں شریک ادارت مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی مرحوم مصنف مصباح اللغات تھے، مولانا اس زمانہ میں جامعہ مسعودیہ نورالعلوم بہرائچ میں مدرس تھے یہ اخبار حکومت کے عتاب کی وجہ سے سات آٹھ ماہ کے بعد بند ہوگیا۔ قیام بہرائچ کے دوران میں نے تذکرہ علمائے مبارکپور کیلئے ابتدائی معلومات جمع کیں اور ابوالعلاء معری کا دیوان سقط الزند خریدا۔

شوال [illegible]ھ سے شعبان [illegible]ھ تک (۱۹۴۷ء میں) جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تعلیمی خدمت انجام دی یہاں کے عظیم الشان کتب خانہ سے خوب خوب استفادہ کیا، مختلف موضوعات پر اقتباسات نقل کئے اور یہیں رجال السند والہند کی تدوین کی ابتدا کی، یہیں کے دوران قیام میں پہلی بار بمبئی گیا تو شرف الدین الکتبی کے یہاں سے امام ابن قیم کی کتاب الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی خریدی۔

الغرض فراغت کے بعد ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۹ء تک مبارکپور، امرتسر، لاہور، سہارنپور اور ڈابھیل
کے درمیان آٹھ سال تک "گومیں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار" مگر اپنے خیال سے غافل نہیں رہا۔

بمبئی میں آمد، اور مصروفیات آٹھ سال تک صحرا نوردی کے بعد جمعہ ۲۸؍ ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ (نومبر ۱۹۴۹ء)
کو بمبئی پہونچا جو میرے علمی سفر کی آخری منزل تھی، ابتدا میں دفتر جمعیۃ علماء صوبہ بمبئی میں اخبار اور دوسرے تحریری
کام کرتا رہا، ۱۵؍ جون ۱۹۵۰ء میں روزنامہ جمہوریت کا اجراء ہوا، میں اس میں نائب مدیر بنایا گیا اخبار
اپنے لوگوں کا تھا، پالیسی جمعیۃ علماء کی تھی، مگر بعض خاص لوگوں کی طرف سے ایسے حالات پیدا
کئے گئے کہ مجھے از خود علیحدہ ہونا پڑا، اور میں ۲۳؍ فروری ۱۹۵۱ء سے روزنامہ انقلاب سے منسلک
ہوگیا، اور جواہر القرآن اور احوال و معارف کے عنوان سے ہر قسم کے علمی، دینی، سیاسی، تاریخی مضامین
روزانہ دو دو تین تین کالم میں لکھتا رہا، سفر اور حضر ہر حال میں یہ سلسلہ جاری رہا، اور مارچ ۱۹۹۱ء
میں چالیس سال سے زائد مدت تک لکھنے کے بعد خود بند کر دیا، صحافت کی تاریخ میں یہ ایک ریکارڈ
ہے، ۱۹۵۲ء میں انجمن خدام النبی بمبئی کی طرف سے ماہنامہ "البلاغ" اور ہفتہ وار "البلاغ" جاری ہوا میں
دونوں کی ادارت میں شامل ہوا، ہفتہ وار چھ ماہ کے بعد بند ہوگیا اور ماہنامہ "البلاغ" میری ادارت
اور ذمہ داری میں پچیس سال سے زائد مدت تک جاری رہ کر بند ہوگیا، نیز اسی دوران ۱۲؍ نومبر ۱۹۶۰ء
سے دس سال تک انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی میں دینیات و اخلاقیات کی تعلیم دی، اور دوبار
دار العلوم امدادیہ بمبئی میں جز وقتی مدرسی کی، ۱۹۵۱ء میں بھیونڈی میں مدرسہ مفتاح العلوم کی بنیاد رکھی
جو ماشاء اللہ اب علاقہ مہاراشٹر کا عظیم دینی و علمی ادارہ بن گیا ہے اور کامیابی سے جاری ہے۔

تیس سال سے زائد مدت تک بمبئی میں مستقلاً قیام رہا اور جس شہر میں شبلی مرحوم "کنارِ آبِ چوپاٹی
و گل گشتِ اپالو" کی سیر کر کے غزل کہا کرتے تھے، ان کے ایک ہموطن نے ایک معمولی سے کمرے
میں "مرکزِ علمی" کا بورڈ لگا کر تصنیف و تالیف اور مضمون نگاری اور مقالہ نویسی کا دورِ شباب گذارا
میں نے بڑے بڑے عقیدتمندوں کی عقیدت اور بڑی بڑی پیش کش کرنے والوں کی پیش کش کا
شکریہ ادا کر کے شہر کی چمک دمک میں کھو جانے کے مقابلہ میں بوریہ نشینی کو ترجیح دی، میرے بہی خواہ
اور مخلص بزرگ و احباب اس معاملہ میں مجھے احمق سمجھتے تھے اور میں کم از کم اس بارے میں اپنے
کو عقلمند سمجھتا تھا بلکہ اب بھی سمجھتا ہوں۔

بمبئی غریب پرور ہونے کے ساتھ علم کُش شہر ہے جس کا احساس مجھے یہاں آنے سے پہلے
ہی تھا، اس لئے میں نے دولت و ثروت کے اس "اندرونِ قعرِ دریا" میں تیس سال سے
زائد "تخت بند" ہونے کے باوجود اپنے دامنِ علم کو تر نہیں ہونے دیا، اور مختلف قسم کی

مصروفیات کے باوجود عرب و ہند کے ابتدائی چار سو سالہ تعلقات پر عربی اور اردو میں متعدد کتابیں لکھ کر بلکہ ایک بڑے خلا کو پُر کیا، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان" کے پیش لفظ میں تحریر فرمایا کہ "اس میں شک نہیں کہ قاضی صاحب اس بے آب و گیاہ صحرا میں تنہا چلے، اور جب لوٹے تو باغ و بہار کا پورا قافلہ اپنے ساتھ لائے"، اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ جنکی تفصیل یہ ہے

اردو تصانیف (۱) عرب و ہند عہدِ رسالت میں (۲) خلافت راشدہ اور ہندوستان (۳) خلافتِ امویہ اور ہندوستان (۴) خلافتِ عباسیہ اور ہندوستان (۵) ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں (۶) اسلامی ہند کی عظمت رفتہ (۷) تاثر و معارف (۸) دیارِ یورپ میں علم و علماء (۹) آثار و اخبار، یہ سب کتابیں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئیں اور پہلی پانچ کتابوں کو تنظیم فکر و نظر سکھر سندھ پاکستان نے دوبارہ شائع کیا، عرب و ہند عہدِ رسالت میں اور ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں کو مکتبہ عارفین کراچی نے دوبارہ شائع کیا عرب و ہند عہدِ رسالت کا ترجمہ عربی زبان میں مصری عالم ڈاکٹر عبدالعزیز عبدالجلیل عزت نے کیا اور الهيئة المصرية مکتّاب مصر نے اسکو چھاپا نیز موصوف نے ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں کا ترجمہ عربی زبان میں کر کے اسلام آباد یونیورسٹی کے مجلہ الدراسات الاسلامیہ" میں قسط وار شائع کیا، پھر مکتبہ آل مدّ ظلّہ، بکریہ ریاض نے کتابی شکل میں شائع کیا، اور "عرب ہند عہدِ رسالت میں" کا سندھی ترجمہ تنظیم فکر و نظر سے شائع ہوا۔ (۱۰) مختصر سوانح ائمہ اربعہ (۱۱) تدوین سیر و مغازی (۱۲) خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظامِ تعلیم و تربیت۔ شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند کی طرف سے شائع ہوئی (۱۳) بناتِ اسلام کی دینی و علمی خدمات شرف الدین الکتبی و اولادہ بمبئی نے چھاپا (۱۴) معارف القرآن تاج ایجنسی بمبئی سے شائع ہوئی (۱۵) علی و حسین (۱۶) طبقات الحجاج (۱۷) تذکرہ علماء مبارکپور (۱۸) تعلیمی سرگرمیاں عہدِ سلف میں (۱۹) افادات حسن بصری (۲۰) اسلامی نظامِ زندگی (۲۱) حج کے بعد (۲۲) مسلمان (۲۳) اسلامی شادی (۲۴) قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک، یہ کتابیں مختلف اوقات میں مختلف اداروں سے شائع ہوئیں آخر کے چند رسائل متعدد بار طبع ہوئے۔

عربی تصانیف (۲۵) رجال السند والہند پہلی بار محمد احمد میمن برادران کے زیرِ اہتمام مطبع حجازیہ بمبئی میں چھپی، دوسری بار حک و اضافہ کے بعد دو اجزاء میں دار الانصار قاہرہ سے شائع ہوئی (۲۶) العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین پہلی بار ابنا مولوی محمد بن غلام السورتی بمبئی نے شائع کیا، دوسری بار دار الانصار قاہرہ سے شائع ہوئی۔

(۲۷) الہند فی عہد العباسیین دار الانصار قاہرہ میں طبع ہوئی۔

تحقیق و تعلیق عربی میں

(۲۸) جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول لابی الفیض محمد بن محمد بن علی حنفی فارسی کو شرف الدین الکتبی اولادہٗ بمبئی نے شائع کیا، اس کے بعد الدار السلفیہ بمبئی نے چھاپا اور مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ نے اس کو شائع کر کے عام کیا، معلوم ہوا کہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں اس کا ترجمہ ہو رہا ہے (۲۹) تاریخ اسماء الثقات لابن شاہین بغدادی کو شرف الدین الکتبی و اولادہٗ نے طبع کیا (۳۰) دیوانِ احمد میں نے اپنے جد مادری مولانا احمد حسین صاحب کے عربی اشعار و قصائد کو مرتب و مدون کر کے شائع کیا۔

ان مستقل تصنیفی و تالیفی کاموں کے علاوہ پچاسوں علمی و تحقیقی مضامین و مقالات معارف اعظم گڈھ برہان دہلی، صدق لکھنؤ، دارالعلوم دیوبند اور دیگر اخبارات و رسائل میں لکھے ہیں، بلکہ اب تک یہ سلسلہ جاری ہے، اخبار "انقلاب" میں چالیس سال تک جو مضامین مختلف موضوعات پر لکھے ہیں اگر ان کو علیحدہ علیحدہ عنوان سے جمع کیا جائے تو بلا مبالغہ سینکڑوں جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔

دینی و علمی اسفار

اپنے کاموں میں انہماک کی وجہ سے ادھر ادھر آنے جانے سے بچنے کے باوجود اندرونِ ملک کے مختلف شہر اور مقامات کا بہت زیادہ سفر ہوا، غیر ملکی اسفار کی ابتدا حج و زیارت کے مبارک سفر سے ہوئی، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پانچ بار حج و زیارت اور عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی، پہلا حج ۱۳۷۵ھ میں، دوسرا حج ۱۳۸۵ھ میں، تیسرا حج ۱۳۹۳ھ میں، چوتھا حج ۱۳۹۶ھ میں اور پانچواں حج ۱۴۰۲ھ میں کیا اب کے بار امیر الحج بنایا گیا تھا، چوتھے حج ۱۳۹۶ھ (۱۹۷۶ء) کے بعد عزیزم مولوی خالد کمال سلمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلاد عرب و افریقہ کا چھ ماہ تک ذاتی سفر کیا، اور جن مقامات میں گیا وہاں کے اہلِ علم اور کتب خانوں سے استفادہ کرتا رہا اس سفر میں سعودی عرب میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، جدہ، طائف، الخبر، دمام، ریاض، درعیہ گیا، دمام سے ریاض تک ریل سے سفر کیا، یہاں سے کویت گئے جو ملک بھی ہے اور شہر بھی، قیام مرکز دعوت و ارشاد میں تھا، امیر کویت کے انتقال کی وجہ سے عام بندی تھی، بعض اہلِ علم سے ملاقات ہوئی اور بعض کتب خانوں میں جانا ہوا، ادارۃ التراث العربی میں نہیں جا سکا میں جس کا مشیر علمی تھا۔ دو دن کے بعد دمشق گئے مگر وہاں کے حکام نے ہوائی اڈہ سے باہر نہیں جانے دیا، اور شام کو مصر کے لئے روانہ ہو گئے اور قاہرہ کے میدان عتبہ میں کرنک ہوٹل میں کئی دن قیام رہا جامع ازہر اور وہاں کے علماء اساتذہ تلامذہ سے ملاقاتیں رہیں، قاہرہ سے متصل فسطاط اور جیزہ کے علاوہ حلوان اور اسکندریہ بھی جانا ہوا، پورا شہر قاہرہ دار العلم اور دار الکتب معلوم ہوتا تھا، متحف قبطی

(قبطی عجائب خانہ) کی کئی منزلہ شاندار عمارت میں فراعنۂ مصر کے مجسمے، ان کے استعمالی سامان اور حنوط کی ہوئی ان کی لاشیں رکھی ہیں اوپر کی منزل میں چودہ فرعونوں کی لاشیں شیشے کے صندوقوں میں قطار سے پڑی ہیں جن میں فرعون موسیٰ کی لاش بھی ہے، اہرام اور ابوالہول عبرت گاہ ہیں۔ فسطاط کی جامع عمرو بن عاص میں نماز پڑھی اس کے ایک گوشے میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مزار لکڑی کے حظیرے میں ہے، اسی علاقہ میں امام شافعی کا مزار بھی ہے، کشتی میں بیٹھ کر دریائے نیل پار کیا، مصر سے گھانا (مغربی افریقہ) کا سفر ہوا جہاں عزیز مولوی خالد کمال دارالافتار کی طرف سے مبعوث تھے، اس کے دارالحکومت اکرا میں کئی ماہ قیام رہا اور وہاں کی بام یونیورسٹی کی لائبریری کے شعبۂ عربی سے خوب خوب استفادہ کیا، امام سمعانی کی کتاب الاملاء والاستملار نقل کی، ابن حوقل کی کتاب صور الارض، ابن اخوہ کی کتاب معالم القربہ فی احکام الحسبۃ وغیرہ سے اقتباسات نقل کئے علمائے اندلس کی کئی کتابوں کے عکسی فوٹو کی زیارت کی، مشہور ماہر بحریات ماجد نجدی کی متعدد کتابیں یہاں موجود ہیں، کوماسی، کیپ، کوسٹ، تمالے اور شمالی علاقوں کا ہفتوں تک دورہ کیا، اسی سے متصل ٹوجو (ٹومی) کی سیاحت کی، واپسی پر قاہرہ آکر رجال السند والہند کی طباعت کا معاملہ دارالانصار سے طے کیا ہوٹل لوسکی میں کئی روز قیام رہا طبقات المفسرین داؤدی کتاب البرہان والعیان جاحظ اور بعض دوسری کتابیں خریدیں، قاہرہ میں فضیلۃ الاستاد عبدالمنعم النمر مرحوم، شیخ صلاح ابو اسمٰعیل مقری اور ڈاکٹر عبدالعزیز عزت سے بار بار ملنا جلنا ہوتا تھا اکثر وقت جامع ازہر کے اداروں اور کتب خانوں میں گذرتا تھا، قاہرہ سے اردن کے لئے روانہ ہوئے، دارالسلطنت عمان پہاڑوں کے نشیب و فراز میں آباد ہے، یہاں خندق ابراہیم میں قیام رہا یہاں سے بھی ملکِ شام کیلئے کوشش کی مگر ناکامی رہی حکومت اردن کی اجازت سے بیت المقدس میں حاضری کا ارادہ کیا اور ارض محتلہ میں داخل ہو گئے، مگر اسرائیل نے واپس کر دیا، اردن یونیورسٹی کے مختلف شعبہ جات کے اساتذہ سے ملاقات ہوئی ادارہ شئون اسلامیہ و اوقاف نے اپنی مطبوعات دیں۔ ایک دن زرقا جانا ہوا، وہاں کوئی مسجد نظر نہیں آئی اور گرجے کئی دیکھے، اردن میں رومیوں کے قدیم مدرج اور آثار بہت زیادہ ہیں، عجائب خانہ میں اموی خلفا و امراء کے لباس اور استعمالی ظروف موجود ہیں۔

یہاں سے بذریعہ ٹیکسی سعودی عرب کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں معان، قلعہ کرک وغیرہ آئے عصر اور مغرب کے درمیان مقام حجر سے گذرے جو قوم ثمود کا مسکن تھا سلسلہ کوہ دور تک چلا گیا ہے۔

درمیان میں سڑک ہے پہاڑوں میں قوم ثمود کے مساکن کے آثار نظر آتے تھے، رمالِ متحرکہ جگہ جگہ تودے کی شکل میں تھے، سرشام سعودی عرب کی سرحد حالۃ عمار سے گذرے، تبوک سے دوسری

ٹیکسی پر چلے رات میں مقام العُلا سے گذرے جو بارونق شہر ہے، اس علاقہ کو کتابوں میں "قرٰی عربیہ" سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ خیبر سے گذرتے ہوئے مدینہ منورہ پہونچے، دو چار دن قیام کر کے مکہ مکرمہ اور وہاں سے جدّہ آئے، یہاں استاد عبدالقدوس انصاری مرحوم مدیر مجلۃ المنہل نے اپنی جملہ تصانیف ہدیہ میں عنایت کیں، ریاض پہونچکر خندق التاج الجدید میں دار الافتار کی طرف سے قیام ہوا، مورخ الجزیرۃ استاد حمد الجاسر نے دار الیمامہ کی مطبوعات و منشورات ہدیۃً دیں دار عبدالعزیز کے مدیر محترم نے اس کی مطبوعات پیش کیں اور فضیلۃ الشیخ العلامۃ عبدالفتاح ابو غدہ نے اپنی تصانیف و مطبوعات کا ایک معتدبہ حصہ عنایت فرمایا، وہاں کے بعض کتب خانوں سے استفادہ کیا۔

ریاض سے کراچی آئے مکتبہ عارفین جا کر اپنی کتابیں طلب کیں جن کو انھوں نے چھاپا تھا تو دونوں کتاب کا ایک ایک نسخہ دیا، اور اس پر "حقِ تصنیف" لکھا مجھے یہ دیکھ کر طیش آیا اور اس تحریر کو کٹوایا، دو دن وہاں رہ کر لاہور آئے مگر میرے دور کا لاہور مجھ کو نہیں ملا، گرمی سخت تھی دوسرے دن دہلی آگئے۔

مارچ سنہ ۱۹۸۴ء میں تنظیم فکر و نظر سکھر کی دعوت پر ہندوستان کے ایک علمی وفد کے ساتھ سندھی ادبی میلہ کے اجلاس میں شرکت ہوئی اور جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان مرحوم کی زیرِ صدارت جلسہ ہوا، جس میں صدرِ محترم کے ہاتھوں سندھ کی روایتی چادر اور ٹوپی اور تنظیم فکر و نظر کا اعزازی نشان دیا گیا، اور ان کے حکم سے ارکانِ وفد پاکستان کا سرکاری مہمان کی حیثیت سے دورہ کرایا گیا، اس سلسلہ میں کراچی، ٹھٹھہ، دیبل، لاہور، اسلام آباد، ٹیکسلا، پشاور، بلوچستان، کوئٹہ لاڑ کانہ، موہن جو دارو (موئن جو درو یعنی موت کا ٹیلہ) سکھر اڑور، نواب شاہ، حیدر آباد وغیرہ کی سیر و سیاحت کی اڑور (جس کو عربی تاریخوں میں الور لکھتے ہیں) اور کراچی اور ٹھٹھہ کے درمیان دیبل دونوں کے کھنڈروں میں حضرت محمد بن قاسم کی مسجد کی جگہ نمایاں تھی دونوں مقام پر دو دو رکعت نماز پڑھی، اس بار بھی لاہور جانے کے باوجود اپنی قیام گاہ اور اخبار زمزم کا آفس نہ پا سکا۔

سنہ ۱۴۰۰ھ میں اسلام آباد میں تیسری عالمی قرآن کانفرس اور سرکاری سیرت کانفرنس میں شرکت ہوئی دونوں کانفرس میں جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم شریک تھے، ان سے بار بار ملاقات ہوتی تھی، مرحوم سے جو شخص دو ایک بار ملتا تھا محسوس کرتا تھا کہ وہ اس سے خاص تعلق رکھتے ہیں، یہ مرحوم کے اخلاق کی خوبی تھی، میں بھی یہی محسوس کرتا تھا، انہوں نے مجھے ایک نہایت قیمتی لیمپ، عمدہ کشمیری مصلّٰی اور ایک حمائل شریف ہدیہ دیا ہے، ان سے خصوصی مجلسوں میں بار بار ملاقات ہوتی رہی۔

اگست سنہ ۱۹۸۶ء میں تنظیم فکر و نظر سندھ نے میری کتابیں چھاپیں اور ان کے رسم اجراء میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے مجھے دعوت دی، وزیرِ اعلیٰ سندھ سید غوث علی شاہ کی صدارت میں تاج محل ہوٹل

کراچی میں نہایت شاندار جلسہ ہوا، جس میں پاکستان کے مشہور ماہر قانون جناب خالد ایم اسحاق پروفیسر سراج منیر مرحوم ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور، پروفیسر پریشان خٹک چانسلر گومل یونیورسٹی پشاور، ماہر سندھیات ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، پروفیسر ایاز کراچی یونیورسٹی وغیرہ نے ان کتابوں اور اس کے مصنف کے بارے میں اپنے بہترین خیالات کا اظہار کیا، اسی سلسلہ کا دوسرا جلسہ تنظیم فکر ونظر کے صدر مقام سکھر میں ہوا جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت ہوئی۔

جن اداروں سے تعلق تھا یا اب بھی ہے جن دینی علمی اداروں سے پہلے تعلق رہا ہے اور ان میں رہ کر مفوضہ خدمت انجام دی ہے وہ یہ ہیں، معتمد انجمن تعمیرات ادب مُمزنگ لاہور، مشیر علمی ادارہ التراث العربی دولت کویت، صدر جمعیۃ علماء مہاراشٹر بمبئی، صدر دینی تعلیمی بورڈ مہاراشٹر رکن انجمن خدام النبی بمبئی، رکن رویت ہلال کمیٹی جامع مسجد بمبئی، اور فی الحال رکن تاسیسی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، مشرف شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند، اعزازی رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ اعزازی مدیر برہان دہلی۔ رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم تاج المساجد بھوپال، رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، رکن مجلس شوریٰ جامعہ اشرفیہ نیا بھوجپور (بہار)

حکومت کی قدر شناسی ۱۵ اگست سنہ ۱۹۸۴ء کو صدر جمہوریہ ہند کی طرف سے عربی زبان اور علمی شغف پر توصیفی سند، کشمیری چادر اور پانچ ہزار روپے سالانہ تاحیات کی پیش کش ہوئی سنہ ۱۹۸۸ء سے یہ رقم دس ہزار ہو گئی ہے۔